قیمت تین روپے

پبلشرز :۔ مکتبہ ادب، لکھنؤ
پرنٹر :۔ سرفراز قومی پریس، لکھنؤ

ناول

دجلہ سے فرات تک

شفیق الرحمٰن

مکتبہ ادب، لکھنؤ

ایک ویرانے میں شامیوں نے بورڈ لگا رکھا تھا — "بغداد جانے والو! سو میل تک شمال مغربی سمت میں جا کر دو سو میل سیدھے نکل جاؤ، اس سے آگے پچاس میل تک بائیں دائیں دیکھتے جاؤ جہاں آبادی نظر آئے رک جاؤ — یہی بغداد ہے!"

بغداد جاتے وقت سفر بالکل اسی قسم کا تھا۔ مجھے بغداد سے زیادہ دجلے کو دیکھنے کا شوق تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی دنیا دجلہ و ڈینوب و نیل والا دجلہ عام دریاؤں جیسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بڑی ممتاز شخصیت کا مالک ہوگا۔ کافی دیر کے بعد ایک بھوری سی ندی نظر آئی — روز بولا — آہا دجلہ آگیا۔ موٹر ٹھہرا کر اسے قریب سے دیکھا، اوپر مٹیالہ آسمان تھا۔

دجلہ

خشک سے کناروں کے بیچ میں گارا سا بہہ رہا تھا۔ دریاؤں کے قریب پہونچو تو پہلے درختوں کے جھنڈ آتے ہیں اور کچھ نہیں تو نرسل یا سبزہ ہی دکھائی دیتا ہے لیکن یہاں کنارے پر کچھ نہیں تھا، کنارے بھی پانی کی سطح سے اونچے تھے۔ اگر اندھیرا ہو تو انسان چلتا چلتا سیدھا دجلے میں آ رہے۔ سودیؔ کا 'لبالب دجلہ گرد و خشک رود' یاد آ گیا۔

میں جن لوگوں کے ساتھ تھا ان کا میرا ساتھ عراق تک تھا، پھر مجھے واپس آنا تھا۔ ریت میں اٹے ہوئے منزل مقصود تک پہونچے۔ وہاں معلوم ہوا کیمپ کے نئے مہتمم کی تقریر ہونے والی ہے۔ مجمع میں ہندوستانی، انگریز، عراقی کرد سب موجود تھے۔ ایک سرخ رنگ کا لمبا تڑنگا شخص نمودار ہوا۔ پچپن ساٹھ کا ہو گا۔ ببر کی طرح ستا ہوا بے تحاشہ گھنی بھویں اور بڑی بڑی بل کھاتی ہوئی مونچھیں جو سفید ہوتی جا رہی تھیں۔ دور سے یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ مونچھیں بڑی ہیں یا بھویں۔

"میرا نام برٹن ہے اور میں آج صبح آیا ہوں۔ بلکہ بھیجا گیا ہوں آپ میرے لئے اجنبی ہوں تو ہوں۔ یہ علاقہ اجنبی نہیں، چوبیس سال ہوئے جب آپ میں سے بیشتر حضرات چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں یہاں جنگ میں لڑنے آیا تھا۔ اور کئی برس رہا۔" ایک وجیہہ شخص نے ان فقروں کا عربی میں ترجمہ کیا ــــ "تب سے میں مشرق وسطیٰ میں رہا ہوں اور ان ملکوں کے

چپے چپے سے واقف ہوں، لہٰذا میرے لئے یہ علاقہ پراسرار نہیں ہے۔
مجھے معلوم ہے کہ نسیم سحری چلتی ہے تو کیا اثرات پیدا ہوتے ہیں؟ ———
گرد اُڑتی ہے! بل کھاتی ہوئی سحر انگیز گلیوں میں کیا ہوتا ہے، شور و غل مچتا
ہے۔ اور مکھیاں بھنبھناتی ہیں! بغداد میں چاندنی راتوں کے طلسم سے بھی شناسا
ہوں —— گیارہ بارہ بجے تک گپیں لگتی ہیں۔ اس کے بعد کتے چاند کی طرف
منہ کرکے روتے ہیں۔ ساتھ ساتھ اپنے ملک کے شہروں سے بھی واقف ہوں
جب مانچسٹر میں صبح ہوتی ہے تو دھوئیں اور دھند کے مارے ہوئے
پرندے چہچہانے کے بجائے کھانسنا شروع کر دیتے ہیں۔ لندن میں بدھ
کو بہار آتی ہے اور اگلے دن جمعرات کو موسم بہار ختم ہو جاتا ہے۔
لہٰذا آپ مجھے دوسرے اجنبیوں جیسا نہ سمجھیں —— میں یہاں کچھ عرصے
کے لئے ہوں پھر یہاں کے گرد و غبار مکھیوں اور جھلستی ہوئی دوپہروں میں
زندگی گزارنے چلا جاؤں گا —— یہ واضح رہے کہ میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں
جو آپ کر سکتے ہیں۔"

عربی میں ترجمہ ہوا تو ایک طرف سے آواز آئی —— "واللہ یا ابو
شوارب!"

"یہ کون تھا؟" برٹن نے پوچھا۔
مشکی رنگ کا ایک بدو کھڑا ہو گیا۔

"متشکریا ابو ملاحت!" برٹن نے جھک کر شکریہ ادا کیا۔
واللہ واللہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور ہجوم ہنسنے لگا۔ ہمیں بتایا گیا کہ جہاں بدّو نے برٹن کو مونچھوں کے ابا کہا تھا اس نے جواباً نمکینی کے ابّا کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ وہ یہاں کے رواج سے واقف ہے کہ سب سے نمایاں خصوصیت کے ساتھ ابو لگا کر نام رکھ دیتے ہیں (نمکینی کے ابّا سے اس کا کوئی واسطہ نہیں) اس دن سے برٹن کا نام ابو شوارب پڑ گیا۔

جو شخص ترجمہ کر رہا تھا وہ مقامی باشندوں سے بالکل مختلف تھا۔ ماتھے پر تیوری چڑھائے یوں بیٹھا تھا جیسے ماحول سے بے گانہ ہو۔ بار بار نوک دار مونچھوں کو تاؤ دیتا اور عقاب کی سی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھتا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا اصل وطن کردستان ہے۔ نام بہت طویل تھا دو ابو آتے تھے تین چار ابن اور پانچ آل جب جا کر مکمل ہوتا تھا۔ لیکن سب اسے منصور کہتے تھے۔

شام کو دریا کے کنارے کرسیاں بچھائی گئیں۔ آفتاب غروب ہوا تو برٹن اور توبلس ہو پہنچ گئیں۔ پہلے نوواردوں کا تعارف کرایا گیا۔ پھر گلاس سامنے رکھے گئے میرے انکار پر وجہ دریافت کی گئی — میں نے بتایا کہ مجھے کھیل کود کا بہت شوق ہے اور اس چیز سے توانائی کم ہو جاتی ہے —

بالکل نوجوانوں والی بات کی ہے۔ اس عمر میں طرح طرح کی باتیں سوجھتی ہیں۔" برٹن ہنسنے لگا۔ کھیلوں کا ذکر شروع ہو گیا — مجھے کرکٹ بالکل پسند نہیں،

ایک مرتبہ غلط بلا گھما دو تو آؤٹ ہو کر میدان سے فوراً باہر نکلنا پڑتا ہے —
دوسرے کھیلوں میں کم از کم ایک گھنٹہ تو کھیلنے دیتے ہیں — پھر پولو پر پہونچے —
میں رسالے میں تھا اب تک گھوڑے یاد آتے ہیں۔ گھوڑوں کی خوشبو یا بدبو ٹینکوں کے
پٹرول سے کہیں زیادہ خوش گوار تھی — مصیبت تو یہ ہے کہ مشینوں سے کام لینے کے
لئے دماغ لڑانا پڑتا ہے۔ گھوڑے ڈانٹنے پیٹنے سے مان جاتے تھے۔ مشینوں کو جتنا
مروڑو اتنی ہی بگڑتی چلی جاتی ہیں — پولو کے بعد نیزہ بازی، گھڑ دوڑ سے
ہوتے ہوئے معاملہ مچھلیوں کے شکار پر اٹک گیا۔

جب لوگ جمائیاں لے رہے تھے تو وہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ سامن اور
ٹراؤٹ کی عادتوں میں کیا فرق ہے اور کیوں فرق ہے۔ میں بالکل خاموش بیٹھا
سوچ رہا تھا کہ اس ریگستان سے کب چھٹکارا ملے گا۔ اگر پرسوں نجات مل
جائے تو سنیچر کو یعنی آج کی رات اس وقت جہاز میں ہوں گا۔ چاندنی ہوگی۔ اور
سمندر کی لہریں —

اگلے روز برٹن نے مجھے بلا کر کہا — "تمھاری کل شام کی گفتگو پسند
آئی۔ میں نے بغداد ٹیلیفون کر دیا ہے کہ ہمیں کچھ عرصے کے لئے یہاں رہنے دیا
جائے —"

اس کے بعد یہ بتایا کہ رات کو اس کے خیمے میں چوری ہوئی اور کوئی سارے
سگار، وسکی کی بوتلیں اور کافی کے ٹین لے گیا۔ "باقی چیزیں تو بچ گئیں —

میں نے پوچھا۔

"ان کے علاوہ وہاں کچھ تھا ہی نہیں ۔"

رات کو کیمپ میں بڑا سخت پہرہ ہوتا تھا پھر بھی چور نالی میں لیٹ کر سرکتا سرکتا آیا اور اسی طرح واپس چلا گیا۔ صبح کو نالی بڑتوں کے خطوط سے بھری ہوئی تھی۔ جنھیں چور بیکار سمجھ کر پھینک گیا تھا ۔ "کوئی پڑھا لکھا چور تھا۔ وہ خط میرے بھتیجوں کے بھیجے ہوئے تھے ۔ لیکن فقط میری ہی چیزیں کیوں چرائی گئیں، آس پاس بھی تو خیمے تھے ۔؟"

"شاید آپ کی تقریر کو چیلنج سمجھا گیا ہو ۔"

"تمھارا قیاس صحیح ہے کھلی جنگ۔ میں جب میں یہاں آیا۔ تب بھی میں نے کیمپ کے مزدوروں اور مقامی سویلین لوگوں کے سامنے اسی قسم کی تقریر کی تھی ۔"

"تب کیا ہوا تھا؟"

"تب بھی چوری ہوئی تھی ۔ اسی رات!"

اگلے روز کسی نے شکایت کی کہ ڈاک خانے سے ٹکٹ نہیں ملتے۔ پوسٹ ماسٹر سے پوچھا۔ تو اس نے سر پیٹ کر بتایا۔ ٹکٹوں اور نقدی والا مقفل صندوق زنجیر سمیت غائب ہو گیا ہے۔ پھر اتنی چوریاں ہوئیں کہ ہم نے افسوس کرنا چھوڑ دیا ۔

خوب گرمی پڑ رہی تھی۔ درجہ حرارت سائے میں ۱۳۰ تک پہونچ جاتا (لیکن سایہ ندارد تھا) صبح نو دس بجے تک کام کرتے یا پھر سہ پہر کے بعد۔ باقی وقت خیموں میں چھپے رہتے۔ برٹن بڑا محنتی اور سخت جان تھا، جس تندہی سے خود کام کرتا، اسی کی توقع اپنے ماتحتوں سے رکھتا، کام کے اوقات میں وہ ہر پر کڑی نگاہ رکھتا نہ کسی کو پہچانتا نہ کوئی فالتو بات کرتا۔ لیکن جہاں شام ہوئی ایسا بدل جاتا کہ پہچان نہ سکتے کہ یہ وہی تلخ وجابر برٹن ہے۔ بالکل دوستوں کی طرح ملتا۔ قہقہے لگاتا۔ مشورے دیتا۔ آندھی آئے لو چلے۔ اس کے منہ سے شکایت کا ایک لفظ نہ نکلتا۔ جب دیکھو لبوں پر مسکراہٹ ہے۔ مونچھیں تنی ہوئی ہیں۔ سینہ نکالے کہنیاں پھیلائے پیدل

چکر لگاتا ہے۔

اسے قیلولے سے سخت چڑ تھی۔ کسی پر شبہ ہو جاتا کہ یہ دن میں سوتا ہے تو اسے تنگ کرتا، ذرا ذرا سی دیر کے بعد اردلی آتا — "برٹن صاحب نے سلام بھیجا ہے" وہ غریب لباس ٹھیک کر کے پہونچتا — "افوہ مجھے نہیں رو ز کو بلایا تھا —" اگر روز ہوتا تو کہتا — "افسوس مجھے نہیں نیلسن کو بلایا تھا"

ٹیلی فون پر گفتگو ختم کرنے سے پہلے جیرز ضرور کہتا۔ خواہ موضوع کیسا ہی ہو۔ دفتر سے اکثر آواز آتی — "رچرڈ تم سا سست اور نکما انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اسی وقت واپس کیمپ پہونچو میں تمہاری خبر لوں گا — جیرز" یا "سمتھ! ابھی ابھی موصل سے اطلاع آئی ہے کہ تمہارا سامان چوری ہو گیا ہے۔ جیرز"یا جو حکم ملا ہے اسے فوراً بجا لاؤ، بکو مت، خاموش رہو — جیرز —!"

میں وطن سے پہلی مرتبہ باہر نکلا تھا، ہر بات کو بڑی توجہ سے سنتا، ہر چیز کو غور سے دیکھتا — برٹن کی باتیں بہت اچھی لگتیں — "لڑکو! قسمت آزمائی اور منچلے پن کے یہی دن ہیں جگہ جگہ جاؤ دنیا دیکھو، لوگوں سے ملو، تجربہ حاصل کرو، تجربے کا بدل نہیں ہے — یہ کتابیں نصیحتیں اور لیکچر سب جمع خرچ ہے — عمر کے ساتھ ساتھ خون کی حرارت کم ہوتی جائے گی، ایک مرتبہ نظریے پختہ ہوئے تو پھر سارے دروازے بند ہو جائیں گے —" "جس طرح کھیلوں کے مقابلے کے

لئے کھلاڑی ٹریننگ کرتے ہیں اسی طرح آفتوں، حادثوں اور غیر متوقع واقعات کے لئے ذہن کی ٹریننگ ہونی چاہیئے ـــــ ڈرنے کے بجائے ذہنی طور پر تیار رہو، مصیبتوں کا مزہ چکھے بغیر لڑنے کا مزہ نہیں بنتا ۔"

اس کی میز پر مغربی شعراء کی نظموں کا مجموعہ رکھا تھا ـــــ کسی نے پوچھا تو بولا "شاعری کا شوق اتنا ہی ہے کہ پڑھ کر خوش ہو لیتا ہوں۔ لیکن اگر مجھے شاعر بننے کے لئے کہا جائے تو شاید انکار کر دوں۔ شعر کہنے کے لئے اَن دیکھی اَن جانی عجیب عجیب باتیں سوچنی پڑتی ہیں۔ بار بار فرضی باتیں سوچو تو ان پر یقین سا ہونے لگتا ہے۔ زندگی کے تقاضے کچھ اور ہیں۔"

چنانچہ دجلے کے کنارے شام کو محفلیں جمتیں تو ان میں میں بطور طالب علم شریک ہوتا۔ روزا در نمبالکر میرے ساتھ آئے تھے، وہاں پہونچ کر پہلے برٹن سے واقفیت ہوئی پھر منصور احمد جر جیس سے۔ منصور خود ہم سے نہیں ملا، موہن نمبالکر ـــــ کے کلرکوں نے حساب کتاب میں ایسی گڑبڑ کی کہ وہ روتا پیٹتا میرے پاس آیا، رجسٹر دیکھے تو روزا اور میں دونوں گھبرا گئے۔ برٹن کو پتہ چل جاتا تو مصیبت آجاتی، طے ہوا کہ کسی تجربہ کار شخص کی مدد لی جائے۔ جر جیس لا پرواسا تھا، چنانچہ میں منصور کے پاس گیا، وہ بڑے تپاک سے ملا، پوری بات سنے بغیر بولا ـــــ "کاغذات یہیں چھوڑ جایئے اگلے ہفتے تک سب کچھ درست کر دوں گا۔" ـــــ موہن سات راتیں جاگتا رہا، آٹھویں روز منصور نے خود آکر بتایا کہ حسابات درست ہو گئے ہیں۔

تب پتہ چلا کہ جسے ہم مغرور اور گستاخ غیر ملکی سمجھتے رہے ہیں۔ وہ فقط خوددار تھا۔ اور نہایت نفیس انسان تھا۔ یہ سات راتیں اس نے جاگ کر گزاری تھیں۔

آخر وہ سُبھ گھڑی آئی جس کا دیر سے انتظار تھا۔ برٹن سے اجازت لے کر ہم بغداد جا رہے تھے آٹھویں صدی میں جب لندن اور پیرس چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے تب خلافت کا یہ دارالخلافہ دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا' اس زمانے کا بغداد۔ پھر الف لیلیٰ کا بغداد' —— ہلاکو کا بغداد۔ پتہ نہیں اب کیسا ہوگا۔ کھجوروں کے جھنڈ آگئے' عورتیں مٹی کے برتن لئے دجلے کی طرف آرہی تھیں۔

دجلے کا پانی اور بھی گدلا ہو گیا —— بغداد قریب تھا۔ جب بغداد آیا تو کچھ بھی نہیں ہوا' عمارتیں سبزہ' درخت —— ہر چیز پر ریت کی تہیں جمی ہوئی تھیں' بغداد کا دجلہ ایسا تھا جیسے جوار بہہ رہا ہو —— دکانوں کی قطاریں تھیں' پارک تھے اور لوگ کا ہجوم تھا —— شارع رشید دیکھ کر رسوائے عالم ابو نو اس کی سڑک پر پھرے' سندباد ہوٹل کے سامنے سے گزرے' ہر ساتویں آٹھویں بغدادی کے چہرے یا بازوؤں پر بغدادی ناسور دیکھا —— پھر دجلے کے کنارے پر آ کھڑے ہوئے۔

"یہ تو کچھ نہیں ہے ——" نمیا لکر نے مایوس ہو کر کہا۔

"تھوڑا انتظار کرو —— رات ہولے پھر دیکھنا ——" جرجیس نے بتایا ——

دجلہ

دجلے میں طرح طرح کی کشتیاں تیر رہی تھیں ــــ گول المبوتری نوکدار، مستطیل نما، چند دخانی کشتیاں اور اسٹیمر بھی نظر آئے ــــ اس سست رو بھورے سے دریا میں ایسی کیا بات ہے ــــ؟ سوائے اس کے کہ صحرا میں بہتا ہے ــــ

بچپن میں پڑھی ہوئی کہانی یاد آگئی ــــ صحرا کا دائمی پیاسا اور کھاری پانی کا عادی بدّو بغداد آیا، کھانے کی قیمت چکا کر روٹی کے ٹکڑے کو دجلے کے پانی میں ڈبو کر چکھا، ایک روٹی کھائی، پھر دوسری، پھر تیسری ــــ جب آٹھویں پر پہونچا تو دکاندار نے جھنجلا کر پوچھا ــــ "بس بھی کرو۔ آخر کب تک کھاتے رہو گے؟"

"جب تک دجلہ بہتا رہے گا ــــ بدّو نے جواب دیا۔

سائے لمبے ہو گئے، سورج چھپ گیا اور بغداد چمکنے لگا ــــ دجلے کے کنارے روشن ہو گئے، پانی پر نور کا عکس پڑا تو جیسے آگ سی لگ گئی، موسیقی کی تانیں فضا میں مرتعش ہوئیں قہقہے تھے، گہما گہمی تھی اور متعدد حسین چہرے ــــ راگ و رنگ کا طوفان آگیا ــــ دجلے کی سطح پر پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔

جرجیس کی بری حالت تھی، ابھی ساتھ ہے ابھی غائب ہو گیا، پھر آملا ادھر جھانک رہا ہے ادھر تاڑ رہا ہے ــــ "وہ دیکھو ــــ" اس نے اشارہ کیا، ہم نے دریچے سے دیکھا رقص ہو رہا تھا ایک طرف منصور بیٹھا تھا اور اس کے

ساتھ ایک شعلہ، جوالا، جو مچل رہی تھی، شرما رہی تھی، مسکراہٹیں بکھیر رہی تھی۔

"منصور بڑا خوش نصیب ہے۔"

"منصور یہاں رہ چکا ہے اور لوگوں کو جانتا ہے — اگلی مرتبہ میں بھی کسی کے ساتھ ہوں گا — اور تم سب دور سے دیکھ دیکھ کر رشک کرو گے —" جرجبیں نے آہ بھری۔

ہم ایک ہوٹل میں بیٹھے کیبرے دیکھ رہے تھے۔

"ہائے یہ موسیقی کیسی اداس کن ہے۔" نمبالکر نے آہ بھری۔

"وہسکی میں پانی ملا رکھا ہے، چوتھے جام پر بھی کچھ نہیں ہوا —" روز بھی غمگین ہو گیا۔

برٹن یاد آ رہا ہے بوڑھے کو ناحق وہیں چھوڑ آئے —"

میں ماحول میں کھویا ہوا تھا کہ روز نے کندھا ہلا کر چونکا دیا۔

"لینکی (Lanky) تم چپ کیوں ہو، کچھ کہو —"

"ناحق رنگ میں بھنگ مت ڈالو — یہاں سب مسکرا رہے ہیں اور تم منھ لٹکائے بیٹھے ہو — جانتے نہیں یہ احساس تنہائی ہے۔"

ہم تنہا تو نہیں، اکٹھے ہیں —"

صبح کو دیکھا تو وہی مٹیالا سا دجلہ تھا اور وہی گرد سے اٹا ہوا بغداد۔ وہ

حسن وجمال کہاں گیا؟ لطافتیں، خوشبوئیں کیا ہوئیں؟ موسیقی کی تانیں کہاں کھو گئیں؟ رات ہر شے سحر زدہ تھی۔ شاید الف لیلیٰ کے وقت کا طلسم اب تک باقی ہے۔ واپسی پر روزہ کہنے لگا کہ شہر تو میں نے کئی دیکھے ہیں لیکن دن رات کے سماں میں ایسا تضاد کہیں نہیں محسوس کیا۔

میں ورزش کرتا تو وہ پوچھتے کہ اتنے کام کے بعد اس کی کیا ضرورت ہے، میں بتاتا کہ کام سے تھکاوٹ ہوتی ہے لیکن ورزش سے چستی آتی ہے۔

جرجیس کی طبیعت اچھی نہ ہوتی اور مجھ سے دوائی مانگتا تو میں ورزش تجویز کرتا — "بیزاری کا علاج ایک میل کی دوڑ جس کے بعد بیزاری یاد تک نہ رہے گی، بھوک نہ لگتی ہو تو ایک سو بیٹھک اور ایک میل کی دوڑ — زکام اور نجبت اکٹھے ہوں تو'

"بس بس بداخلاقی کی انتہا ہو گئی' میں مشورہ نہیں چاہتا —"

جب کبھی باہر کا کام نکلتا تو جرجیس خاص طور پر میری سفارش کرتا — کہ اسے بھیج دو یہ بھاگا دوڑی میں خوش رہتا ہے۔

برٹن اسے سمجھاتا — "جرجیس خدوخال تو قدرت تراشتی ہے لیکن

وحیلہ

جسم انسان خود تراشتا ہے اور پھر ورزش طرح طرح کی برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ لینگی کو دیکھو دن بھر کا تھکا ہارا شام کو شربت انار پی کر ایسا سوتا ہے کہ صبح کو بگل کی آواز بھی نہیں سنتا۔"

ایک دن علی الصبح دوڑ لگائی تو منصور کے ماتحت نے پکڑ لیا، مجھے پہچان کر معافی مانگی ــــ" واللہ! یا ابو ریاضت یہ کیا حرکت ہے؟ صبح صبح اور مغرب کے وقت ایسی ورزش یہاں مت کیا کریں ورنہ لوگوں کو مغالطہ ہوگا کہ کوئی بدّو کیمپ میں چوری کر کے بھاگا جا رہا ہے"۔

چوریوں کا ذکر اکثر ہوا کرتا، طرح طرح کے قصے بیان کئے جاتے، لوگ آپ بیتی سناتے۔ "یہاں یہ ہوتا ہے کہ کوئی سودا بیچنے والا پیچھے لگ جاتا ہے اجنبی جھلا اٹھا ہے معافی مانگتا ہے لیکن سودے والا تعاقب نہیں چھوڑتا۔ آخر اجنبی جھلا اٹھتا ہے، جوں ہی تو تو میں میں شروع ہوئی کئی بیچ بچاؤ کرانے والے آجاتے ہیں جو صلح کراتے وقت اجنبی کو پیچھے ڈھکیلتے ہیں۔ تھپکی دیتے ہیں اور اس کا قلم، گھڑی اور بٹوہ غائب کر دیتے ہیں۔"

انھیں سفید چادروں کا بہت شوق ہے، کوئی سو رہا ہو تو چپکے سے بستر کے خالی حصے کی نصف چادر تہہ کی جاتی ہے۔ پھر ہری یا کسی ملائم چیز سے سونے والے کے گدگدی کی جاتی ہے۔ جوں ہی وہ کروٹ لیتا ہے بقیہ چادر نکال لی جاتی ہے ــــ وہ صبح اٹھ کر ملازم کو ڈانٹتا ہے کہ چادر کیوں نہیں بچھائی۔ کبھی یقین

تک نہیں آتا کہ لیٹے ہوئے انسان کے نیچے سے چادر نکل گئی"۔

"پہلی جنگ میں جب میں یہاں تھا تو عجب تماشا ہوا، ہر شام کو کیمپ سے ایک خچر غائب ہو جاتی ـــــ سنتریوں کی تعداد بڑھائی گئی، پہرہ سخت کر دیا گیا، پھر بھی صبح کو اطلاع ملتی کہ ایک خچر گم ہے ـــــ آخر مخبروں نے چور پکڑوایا تو معلوم ہوا کہ جب شام کو جانور پانی پی کر واپس آتے تو چور کتے کی کھال اوڑھ کر ان کے ساتھ ساتھ کیمپ میں آ گھستا۔ اندھیرا ہو جانے پر ذرا دیر کے بعد خچروں کو چھیڑتا، وہ ہنہناتیں، دولتیاں جھاڑتیں، فوراً سنتری آتا۔ خچروں کو چپ چاپ کھڑے دیکھ کر واپس جاتا۔ پھر شور و غل مچتا، سنتری پھر بھاگ کر پہنچتا، خچروں کو صحیح سلامت پا کر لوٹ آتا۔ یہ عمل پانچ چھ مرتبہ دہرایا جاتا حتیٰ کہ سنتری خچروں سے اس قدر بیزار ہو جاتے کہ جب چور سچ مچ خچر کو لے کر بھاگتا تو وہ نہ ہنہنانے کی پرواہ کرتے نہ شور کی ـــــ"

"ایک مقامی باشندے کو آملیٹ بہت پسند تھا۔ اس نے مجھ سے پکانے کی ترکیب پوچھی تو میں نے بتایا "پہلے چار انڈے چراؤ ـــــ پھر کچھ چرایا ہوا مکھن لے کر ـــــ"

اور سب ہنسنے لگتے۔

برٹن پرانا سپاہی تھا، اس کے تمغوں میں سے دو ایسے تھے جو فقط میدانِ جنگ میں دیئے جاتے ہیں ـــــ میں نے پوچھا کہ "آپ نے کیا کیا تھا؟" یہ

تمغے ان مفرکوں کی یاد ہیں، جن میں میرے رفیق کو جو مجھ سے کہیں دلیر اور فرض شناس تھے کچھ نہیں ملا، وہ مجھ سے زیادہ حقدار تھے ——" پھر میں نے کبھی تمغوں کا ذکر نہیں کیا۔

ہمارے دو ساتھی تبادلے پر چلے گئے لیکن ان کی جگہ کوئی نہ آیا۔ اس سے شکایت کی کہ کام زیادہ ہے۔ بولا "آدمی زیادہ ہونے سے کارکردگی کبھی نہیں بڑھتی، وہ سوال یاد ہوگا جو بچے سے پوچھا گیا تھا کہ اگر دو آدمی ایک کام دو دن میں کر سکتے ہیں تو چار آدمی کتنے دن میں کریں گے؟ بچے نے جواب دیا تھا۔ چار دن میں۔ میرے خیال میں یہ جواب صحیح ہے۔ آدمی جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی وقت ضائع کریں گے"

کیمپ کی بے کیف زندگی سے تنگ آجاتے تو وہ مشورہ دیتا —— اسی میں خوشیاں تلاش کرو، مسرت بھرے لمحے پروگرام کے تحت نہیں ملتے۔ یہ تو ادھر ادھر سے چرانے پڑتے ہیں۔ مسرتیں خوش خبریاں باہر سے نہیں منگوائی جاتیں، یہ تو ڈھونڈی جاتی ہیں، بے کیفی اور یکسانیت کے تالاب سے خود کھینچ کر نکالنی پڑتی ہیں ——"

ایک دن ہم نے پوچھا کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی —— "شادی کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جوانی جہاں گردی اور دنیا کے جھگڑوں میں بیت گئی۔ اس کے بعد خیال چھوڑ دیا۔ محبت! آہ محبت لفظ نو عمروں کے لئے ہے اس عمر

میں ہر چیز خواہ مخواہ رنگین معلوم ہوتی ہے۔ ہر جذبے میں بے ساختگی ہوتی ہے اور خلوص۔ محبوب کی مسکراہٹ سے ہفتے خوشی خوشی گزر جاتے ہیں۔ کامل یقین ہوتا ہے کہ محبوب مہربان ہو گیا تو امتحان میں ضرور کامیابی ہوگی، مالی حالت بہتر ہو جائے گی۔ دوست دشمن سب قدر کرنے لگیں گے، اور اس کی بے رخی سے سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا۔ آئرلینڈ کی وہ جھلمل جھلمل کرتی ندیاں، وہ لہلہاتے کھیت، گھنے جنگل، شاداب کنج مجھے اب تک یاد ہیں۔ اگرچہ ان لڑکیوں کے نام اور چہرے یاد نہیں رہے جو ان دنوں میرے ساتھ ہوا کرتیں، پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کب بادل آئے تھے اور کب بوندیں تھم گئیں، طلوع آفتاب کے بعد اتنی جلدی چاند کیسے نکل آیا۔ ذرا دیر پہلے گھپ اندھیرا تھا۔ دفعتاً یہ روشنی کہاں سے آگئی —— ہائے وہ جگمگاتی صبحیں وہ رنگین شامیں —— محبت کی اصلی عمر وہی ہوتی ہے اس کے بعد تو بس دکھاوا ہے۔"

ہم نے روز کو اشارہ کیا کہ یہی موقع ہے پوچھ لو —— اس نے ڈرتے ڈرتے بغداد کا ذکر کیا —— بوڑھا ترنگ میں تھا کہنے لگا —— "میں کام کے سلسلے میں سختی برتتا ہوں لیکن محبت کے معاملے میں دخل نہیں دیتا —— چھٹی کے دن جو لڑکا بغداد جانا چاہے جا سکتا ہے —— لیکن محتاط رہنا ان شہروں میں آئے دن فساد ہوتے ہیں۔ میں جنگ سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا فسادات سے، لڑائی میں دشمن کی تمیز کی جا سکتی ہے لیکن جب ہجوم مشتعل ہو جائے تو دوست

دشمن کا پتہ نہیں چلتا اور ایسی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں ـــــ جنوبی افریقہ میں
فساد ـــــ دو تماشائی جو جاپانی تھے ہلاک ہوئے یا منچوریا میں فساد تین
فرانسیسی راہ گیروں کی حالت نازک ہے۔ بطور تماشائی مرنا بے حد ہولناک موت
ہے ـــــ"

ہم بغداد جانے لگے۔ سنیچر کی شام کو بغداد پہونچ کر خوش ہوئے اور
اتوار کی شام کو واپس کیمپ آکر بھی اتنی ہی خوشی ہوئی ـــــ کیوں کہ شہر میں
چور اور دکان دار ہماری جیبیں خالی کر دیتے۔

برٹن اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ذکر سے ہمیشہ احتراز
کرتا، ادھر جر جیس کا محبوب موضوع ہی یہی تھا اپنے اور دوسروں کے
تایوں، چچوں، بھائی، بھتیجوں کے متعلق بتاتا اور پوچھتا۔ اسے سمجھایا بھی کہ
انگریز ایسی باتوں میں دلچسپی نہیں لیتے لیکن پھر بھی برٹن سے پوچھ بیٹھا۔"
آپ کے کتنے بھائی ہیں؟"

"ایک ہے ـــــ لیزلی ـــــ بڑا بد ذات ہے، ہم دونوں
گہرے دوست بھی ہیں ـــــ سنہ ۳۲ء میں وہ لندن میں تھا، اب نہ جانے کہاں
ہے اور کیا کر رہا ہے؟"

"تو آپ دس سال سے نہیں ملے؟" جر جیس نے ایک اور غلطی کی۔
"دراصل ہم سنہ ۲۲ء میں ملے تھے، پھر گیارہ سال کے بعد میں

چھٹی پر گیا، لندن میں کسی نے بتایا کہ لیزلی بھی وہیں ہے۔ کھوج نکال کر
اس کے فلیٹ پر پہونچا ـــــ آواز دی ـــــ لیزلی! لیزلی!! ـــــ
کون ہے؟ وہ اندر سے چلایا ـــــ میں ہوں ایرک مشرق وسطیٰ کا کیا حال
ہے؟ ـــــ اچھا ہے کوئی تازہ خبر سنائے ـــــ پوس ٹیس کا انتقال ہو گیا
ایرک ـــــ کیسے ہوا لیزلی؟ ـــــ وہ چلا جا رہا تھا دھڑام سے گر کر مر گیا
تمھیں تعجب ہوا ایرک؟ ـــــ نہیں لیزلی! اس کی صحت گرتی جا رہی تھی، جب
وہ سکندریہ میں ملا تو میں نے صاف صاف بتایا تھا کہ اولڈ نگ تم روز ہوتے
جا رہے ہو تمھارا وقت قریب ہے۔ پتہ نہیں ہمارے پرانے دوست نے یہ چار سال
کیسے نکال لئے اور لیزلی تم باہر نکلو نا ـــــ ایرک مجھے کچھ دیر لگے گی میں باتھ روم
میں حجامت کر رہا ہوں انتظار کرو ـــــ میں انتظار نہیں کر سکتا لیزلی آدھ گھنٹے
میں مجھے پکاڈلی سرکس پہونچنا ہے ـــــ پھر تو ایرک تم فوراً بس پکڑ لو ورنہ
لیٹ ہو جاؤ گے پھر کبھی ملیں گے گڈ بائی ـــــ چیرز لیزلی ـــــ اگلے روز اس
کو فون کیا وہ کہیں باہر جا رہا تھا، اس نے فون کیا میں ہوٹل میں نہیں تھا ـــــ
پھر میں نے کیا تو بولا گھڑ دوڑ پر جا رہا ہوں چلو گے ـــــ مجھے گھڑ دوڑ سے
اب دلچسپی نہیں رہی چنانچہ میں نہیں گیا۔ اگلے ہفتے وہ سمندر کے کنارے
چلا گیا۔ میں بھی مصروف رہا۔ اتنے میں چھٹی ختم ہو گئی اور میں واپس آ گیا، لیزلی
سے ملاقات ہو جاتی تو اسے آئرلینڈ چلنے کے لئے مجبور کرتا، گھر ہو آتے اور یہ

بھی دیکھ آتے کہ اولڈ مین کا موڈ کیسا ہے۔"

جرجیس حیران رہ گیا ـــــ "اور پوچھو انگریزوں سے ایسے سوال"۔ نمبالکر نے ڈانٹا۔

موہن نمبالکر مرہٹا تھا، سانولا رنگ، پستہ قد، گٹھا ہوا جسم، بڑی بڑی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ کبھی نچلا نہ بیٹھتا، دن بھر کچھ نہ کچھ کرتا رہتا۔ تبھی برٹن نے اس کا نام نمبل (Nimble) رکھا تھا۔ اس کا خیمہ میرے پڑوس میں تھا، علی الصبح ہولے ہولے، تم جاگو موہن پیارے، گاتا جیسے اپنے آپ کو جگا رہا ہو۔ پھر اٹھ کر دجلے کے کنارے سے طلوع آفتاب دیکھتا ـــــ کبھی کبھی ـــــ کرلے اس دن کی تدبیر جب تیرا آئے گا پیدا۔" اور جوگیوں کے دوسرے گیت، مارے مارے پھرتے ہیں دن بھی ہمارے پھرتے ہیں۔ گاتا ہی ورزش کرتا تو دریا کے کنارے ملاقات ہوتی۔ "خان صاحب کیسی سہانی صبح ہے، دریا میں سونا بہہ رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم مغربی کنارے پر ہیں ورنہ طلوع آفتاب نہ دیکھ سکتے ـــــ" ادھر برٹن اور روز وغیرہ غروب آفتاب پر فدا تھے۔

سورج کا ڈوبنا اداس نظارہ ہے لیکن طلوع تخلیق کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔" میرا عقیدہ ہے کہ اگر انسان صبح صبح مسرور ہو تو سارا دن اچھا گزرتا ہے میں نے تو آج تک شام کا انتظار نہیں کیا۔" مشقت کے علاوہ اسے فقط دو

چیزوں کا شوق تھا، موسیقی اور کبھی کبھی ذرا سی وہسکی۔

"جوگیا نری عبادت ہے خاں صاحب۔ انسان پہاڑ کی چوٹی اور سمندر کی تہہ ناپ سکتا ہے لیکن درباری کی وسعتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا، جس شام کو وہسکی نہ ملے اُسی سے نشہ پورا ہو جاتا ہے ــــ دوسری ملہاروں اور میاں کی ملہار میں آپ نے فرق محسوس کیا؟ استاد نے ذرا سی تعلیم و اضافے سے سماں باندھ دیا اسے سنتے وقت بارش کی پھواروں اور جھینگروں کی آوازیں سنائی دیتی ہے، بھیگے بھیگے جھونکوں کا لمس محسوس ہوتا ہے، انسان کتنا ہی اداس ہو آسا دری کی چند تانیں سب کچھ بھلا دیتی ہیں ــــ

"میں نے بتیس برس تک نہ کبھی غم لگایا نہ شراب کو چھوا، پھر والد کا انتقال ہو گیا۔ شمشان بھومی میں انھیں جلانے کے فرائض بطور بڑے بیٹے کے مجھ کو سرانجام دینے پڑے، اس دن جو کچھ مجھ پر بیتی بیان نہیں کر سکتا، شام کو میں نے پہلی مرتبہ پی۔ اس واقعہ کو دس سال گزر چکے ہیں لیکن مجھے وہ دن نہیں بھولا ــــ خان صاحب میں نے عجیب عجیب محفلوں میں پی ہے، لچوں شہدوں، لفنگوں جہاں گلاسوں کی جگہ بوتلوں سے حساب ہوتا تھا۔ بات بات پر چاقو نکل آتے تھے (اس کے ماتھے پر زخم کا لمبا سا نشان تھا) یہ زخم ان نحرمستیوں کی یادگار ہے، جب مہاراجہ کی ملازمت میں تھا تو کئی مرتبہ پری جمالوں کے جھرمٹ میں راجہ اندر کی طرح بیٹھ کر پی ــــ ایک ایک حسینہ

ایسی تھی کہ اس کے لئے عمر گنوادی جائے اور ذرا افسوس نہ ہو، کچھ شراب کا نشہ، کچھ ان متوالی آنکھوں کا خمار، کیا کیا کیفیتیں طاری ہوتی تھیں اب یوں لگتا ہے جیسے ایک سہانا خواب دیکھا تھا۔ ایسے ایسے منحوس مطلب پرست جینیئوں کا بھی ساتھ دیا کہ گھنٹوں کی بادہ نوشی کے بعد بجائے سرور کے افسردگی ملی اور توبہ کرنے کو جی چاہا —— شدید صدمے برداشت کرنے کے لئے پی اور ہمیشہ صدمے کو شدید تر پایا، شرط لگا کر بھاری بلا نوشوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن اب اس نتیجہ پہ پہونچا ہوں اگر ہر وقت کسی کام میں لگا رہوں، موسیقی کا شوق پورا ہوتا رہے اور شام کو ذرا سی چسکی لگ سکے تو مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے ——"

اس کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں تھی۔ بیوی کا ہمیشہ اپنے لکھ پتی باپ کے پاس رہتی کبھی کبھی اس کے پاس آتی تو غربت کے طعنے دیتی، لڑنے کے بہانے تلاش کرتی —— یہ کہانی اور اپنی زندگی کی دوسری الم ناک کہانیاں دہرا کر وہ پوچھتا —— "دنیا میں کسی چیز کو بھی ثبات نہیں، دوست بنانے میں مدت لگتی ہے لیکن کسی چھوٹی سی بات سے برسوں پرانی دوستی یوں ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں ہمیشہ ڈر ڈر کر کیوں رہنا پڑتا ہے، کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو آج محبوب بنا ہوا ہے اس کے دل میں کل بھی اتنی ہی محبت ہوگی —— ذرا سی جدائی

معمولی سی غلط فہمی، تخیل کی غلط پرواز، شب و روز کی یکسانیت، کسی تیسرے کی آمد ـــــ بعض اوقات تو کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی اور آناً فاناً میں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے ـــــ یہ کیا تماشا ہے؟"

میری خاموشی پر دوبارہ پوچھتا ـــــ "بتائیے نا ـــــ"

لیکن میں کچھ نہ کہتا ـــــ آخر وہ مایوس ہو کر شکایت کرتا ـــــ "آپ جان بوجھ کر ٹال جاتے ہیں ـــــ" اس کا رنگ سانولا تھا لیکن جب گوروں کالوں پر بحث ہوتی تو وہ غیر جانب دار رہتا ـــــ "دجلہ کے دونوں رنگ پیانو کے سفید و سیاہ پردوں کی طرح ہیں ـــــ جب تک دونوں ہم آہنگ نہ ہوں نغمہ پیدا نہیں ہوتا ـــــ"

رتنو اس سے کہا کرتا ـــــ "دیوتاؤں کے سامنے موسیقی، رقص اور پھولوں کی پیش کش سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنا کس قدر خوش گوار ہوگا ـــــ مجھے تمھارا طرزِ عبادت بہت پسند ہے ـــــ"

کیمپ میں ایک گھنی مونچھوں والا چڑچڑا شخص تھا جس سے سب نفرت کرتے تھے ـــــ موہن اسے کبھی ناپسند نہیں کرتا تھا ـــــ "یہ برا آدمی نہیں ہے کیوں کہ اسے گانے کا شوق ہے ـــــ" حالاں کہ وہ رات کے گیارہ بجے بھیانک آواز میں ایسے بے سُرے گانے گایا کرتا تھا کہ سب نالاں تھے آخر تنگ آ کر منصور نے سب کے سامنے اسے بتایا کہ "حکیم

رازی کو جوانی میں بانسری بجانے اور گانے کا بڑا شوق تھا۔ جب پختگی آئی تو گانا بجانا یکلخت ترک کر دیا اور فرمایا کہ "جو موسیقی داڑھی اور مونچھوں کے درمیان سے نکلے اس میں کوئی جاذبیت نہیں ہوتی۔" منصور کی نصیحت کارگر ثابت ہوئی۔

موہن کا خیال تھا کہ جب دنیا کے باشندوں میں موسیقی کو سمجھنے اور اس سے محفوظ ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی تب کوئی کسی سے نہیں لڑے گا۔

جرجیس کا اصل نام جارجز تھا اور اصلی وطن آرمینیا ۔ موٹا تازہ آرام طلب نوجوان تھا ۔ پتہ نہیں نوکری کیوں کر رہا تھا ۔ کیوں کہ اسے کام سے نفرت تھی، قواعد وضوابط سے چڑتا تھا ۔ پیدل چلنے سے گریز کرتا ___ "میں سولین ہوں مجھے کچھ نہ کہو" کہہ کر بیماری کے بہانے سے خیمے میں لیٹ جاتا ۔ دائمی کاہلی کے باوجود جرجیس نہایت شدید قسم کا عاشق تھا اور تقریباً ڈیڑھ یا پونے دو عاشقوں کے برابر تھا ۔ کسی لڑکی کو مغموم دیکھ کر اس سے رہا نہیں جاتا تھا ۔ دراصل جو لڑکی مغموم نہ بھی ہو اسے دیکھ کر بھی بے قابو ہو جاتا ۔ چنانچہ ہمیشہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی پر عاشق رہتا تھا یہ اور بات تھی کہ کبھی لڑکی

کا نام ابابیل ہوتا، کبھی لورتیا تو کبھی روزاریا۔ ساتھ ساتھ یہ گلہ بھی رہتا
کہ اسے اتنی توجہ نہیں ملتی جس کا وہ مستحق ہے ــــ آج وہ ناروزنا
نے سلام کا جواب نہیں دیا، ہنریٹیا نے دیکھتے ہی منھ پھیر لیا۔ باتیں
تو ہوئیں لیکن پھیکی پھیکی سی ــــ اور تو اور وہ بے وقوف میربا بھی
روٹھی ہوئی ہے مسکراتی تک نہیں ــــ "ہائے ہمیں زندگی سے کچھ
کبھی تو نہیں ملا ــــ" اور تم نے زندگی کو کیا دیا ہے؟" روز چڑ کر کہتا۔
"تم ان لوگوں میں سے ہو جو ہر وقت ہر قسم کی توجہ کے طالب رہتے ہیں
جنھیں وبا سے بچ جانے پر خوشی کی جگہ افسوس ہوتا ہے کہ وبا نے جان
بوجھ کر نظر انداز کیا ہے ــــ" روز اور جرجیس کی ہمیشہ ٹھنی رہتی۔
"جرجیس کائنات میں تقریباً دس کروڑ جھرمٹ ہیں ہر جھرمٹ میں دس
لاکھ کے قریب نظام شمسی ہیں ہر نظام میں بے شمار سیارے ہیں جن میں سے
کچھ آباد بھی ہوں گے، ادھر تم ہو کہ ایک چھوٹے سے سیارے کے ننھے سے
ملک کی ذرا ذرا سی باتوں میں غلطاں رہتے ہو ــــ"

جو چیز دوربینوں سے نہ دکھائی دیتی ہو ان پر میرا مطلق اعتقاد
نہیں ــــ دنیا کا جو اتنا سا حصہ نظر آتا ہے اسی پر قانع ہوں خاص
طور پر بغداد، بھودیوں والا پل بڑی پرکشش جگہ تھی ــــ شام ہوتے
ہی گہما گہمی شروع ہو جاتی، کنارے خالی ہیں اور ساری رونق پل پر

سمٹ آتی ہے، چہل قدمی کرتے ہوئے کسی نے رومال گرا دیا کہ کوئی اٹھا کر دے تو تعارف ہو، گھڑی ہوتے ہوئے کسی سے صحیح وقت پوچھا سرخ ہونٹوں میں سگریٹ دبا کر کسی سے ماچس مانگنا۔ اسی قسم کے سینکڑوں حربے۔ سیاہ زلفیں، زیتونی رنگ، بھرے بھرے ہونٹ، چست لباس اور بڑی بڑی آنکھیں۔

جرجیس بار بار کہتا کہ یہ یہودی تو کچھ نہیں مگر یہودنیں (چٹکی بجا کر) واللہ! اس کے باوجود یہ یہودنیں جرجیس کے لئے سرکس کے جانوروں کی طرح تھیں وہ انھیں بڑے شوق سے دیکھتا بار بار ملنا چاہتا تھا لیکن ان میں سے کسی ایک کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتے ——؟" روزنگ آکر پوچھتا۔

"شادی کرلی تو اپنی شامیں کہاں گزاروں گا؟"

"شادی سے نفرت کرتے ہو؟"

"جی نہیں! میرے خیال میں شادی شادی شدہ لوگوں کے لئے بہت اچھی چیز ہے ——"

"تو عورت کی مستقل رفاقت سے ڈرتے ہو؟"

"ایک عورت کی رفاقت تو ٹھیک ہے لیکن جو باقی ماندہ اتنی ساری عورتوں سے دور رہنا پڑتا ہے۔ یہ بہت مشکل ہے، یہ کیمپ تو اتنا بڑا نہیں ہے"

اس سے پہلے میں جہاں تھا وہاں اتنی تنہائی تھی کہ شادی کرتے کرتے بال بال بچا ـــ"

میں اسے بتاتا کہ تمھاری تکنیک بالکل غلط ہے ـــ اور تم پر سہ

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا

مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

والا شعر عائد آتا ہے ـــ ملتے ہی لڑکیوں کو خفا کر دیتے ہو ـــ

"یہ تو دل کے معاملے ہیں جو سوجھتی ہے کہہ دیتا ہوں، قوانین وضوابط سے مجھے سدا کی چڑ ہے ـــ"

جرجیس کی تکنیک یہ تھی ـــ

کوئی حسین لڑکی کہتی ـــ "آج میری سالگرہ ہے۔"

"مبارک ہو، آج آپ کتنے سال کی ہوئیں۔"

یا "چلو سنیما چلیں ـــ ہائے تمھیں سنیما پسند کیوں نہیں؟"

"مجھے ٹاکیز سے پہلے کی خاموش فلمیں پسند تھیں ان میں یہ جاذبیت تھی کہ عورتوں کے ہونٹ ہلتے تھے لیکن کانوں کو کچھ سنائی نہیں دیتا تھا ـــ"

"بڑے بدتمیز ہو، تمھارے متعلق میں سب جانتی ہوں کہ تم جھوٹے ہو، ہرجائی اور لفنگے بھی ہو۔"

"سوچ لو! تم مجھے ترغیب دلا رہی ہو ـــ"

ظاہر ہے کہ اس قسم کی باتوں سے کوئی لڑکی مرعوب نہ ہوتی۔ لیکن جرجیس کا جوش و خروش کسی طرح کم نہ ہوتا، ایک پختہ عمر کی خاتون سے فلرٹ کرتے وقت یہ فقرہ سنا ــــ "جانتے ہو میں تمھارے دوست کی چچی ہوں؟"

"چچی جان آپ کی آنکھوں میں بلا کی کشش ہے ــــ"

"تمھیں مجھ سے ملنے کی جرأت کیوں کر ہوئی ــــ"

"ساتھیوں کے ساتھ بابل، ٹیسیفون اور دوسرے آثار قدیمہ دیکھنے آیا تھا، سوچا کہ آپ سے بھی مل لوں۔"

"آیندہ مجھ سے دور رہنا، تمھارے اور میرے خیالات مختلف ہیں ــــ"

"واقعی ہم دونوں مختلف ہیں، تمھیں لڑکے پسند ہیں اور مجھے لڑکیاں۔"

کام کے اوقات ختم ہوتے ہی جرجیس یکلخت چست ہو جاتا، خیمے میں آتا تو جیسے زلزلہ آ جاتا۔

"چپ کیوں ہو، ریڈیو لگاؤ، گراموفون بجاؤ، شور مچاؤ اور کچھ نہیں تو تاش ہی کھیلو، یار و کچھ تو کرو آدیہ توبہ کیسے سست الوجود دوستوں سے واسطہ پڑا ہے، زندگی تباہ ہو گئی ہے۔" پھر دفعتاً اداس ہو جاتا اپنی ناکامیوں کے قصے لے بیٹھتا، جو بے شمار تھے، آخر میں مسکرا کر کہتا۔

"دیکھ لینا دوست! کسی نہ کسی روز میرا نصیبہ ضرور جاگے گا، حالات خود بخود سازگار ہوتے چلے جائیں گے، جس کام میں ہاتھ ڈالوں گا کامیابی

ہو گی، یکے بعد دیگرے خوشخبریاں آئیں گی، میری جیبیں پُر ہو جائیں گی اور ہر شام کو بغداد جا سکوں گا۔ دوسروں سے قرض مانگنے کے بجائے انھیں ادھار دیا کروں گا، دوست میری قابلیت کا اعتراف کیا کریں گے ـــــ وہ وقت دور نہیں ہے۔"

آخر ایک روز برٹن نے جرجیس کو ڈانٹ دیا ـــــ "یہ تم ہر وقت لڑکیوں کے پیچھے کیوں لگے رہتے ہو۔ دنیا میں اور کام بھی تو ہیں ـــــ"

"جناب لڑکیوں سے نہ ملا جائے تو ان سے محبت کیوں کر ہو، محبت نہ کی جائے، تو ناکامی کیسے ہو اور محبت کی ناکامی کے بغیر غم غلط کرنے کے موقعے کس طرح ملیں ـــــ"

اس نے جام خالی کرتے ہوئے جواب دیا۔

روز ریکار ریاضی داں تھا بات بات پر سوال نکالنے بیٹھ جاتا، بغداد جانے سے پہلے یہ پوچھتا کہ بل ادا کرنے کا کام کس کے سپرد کیا جائے پھر سب سے برابر چندہ لے کر اس کے حوالے کرتا ـــــ "جب وہ نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ دیکھیں گے تو ہم سب کو امیر سمجھیں گے ـــــ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اپنی جیب کی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی۔ وہ بالکل گنجا تھا اپنی مدافعت میں طرح طرح مثالیں پیش کرتا۔ جارلس دوئم گنجا تھا، موسم گرما میں سر کے مصنوعی بال اتار کر ٹہل رہا تھا کہ ملکہ نے دیکھ لیا۔ اس کی چیخ سن کر بولا۔ جانِ من کیا کروں گرمی بہت ہے۔ فرانس کے لوئی

چہارزدہم نے عمر بھر اپنے گنجے پن کو چھپائے رکھا، فرانسیسی بہت سی باتیں چھپا لیتے ہیں۔ ملکہ الزبتھ گنجی ہوئی تو محل اور دربار کے سارے آئینے تڑوا دیئے اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری اور فرانس کی میری انٹوئنٹ دونوں گنجی تھیں لیکن یہ راز ان کی موت کے بعد کھلا۔ میں تو معمولی سا انسان ہوں۔ گنجا ہوں تو بس گنجا ہوں چھپاتا تو نہیں۔"

اس کی سالگرہ کی پارٹیاں مشہور ہو چکی تھیں۔ کوئی لڑکی گھر جانا چاہتی ہو تو روز فوراً اعلان کر دیتا کہ آج تو اس کی سالگرہ ہے جلد گھر پہونچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بار بار بلانے پر نہ آئی تو پیغام بھیجا ——
آج وطن میں عزیز واقارب میری سالگرہ منا رہے ہوں گے۔ میں یہاں بے یار و مددگار ہوں کم از کم آج تو مایوس نہ کیجئے غرضیکہ ہر دوسرے ہفتے یہ مبارک دن آجاتا۔ لڑکیوں کو مدعو کرتے وقت بھی وہ فارمولے استعمال کرتا ——"
پیر کو میرے ساتھ چائے پیجئے"—— "پیر کو میری دادی آرہی ہیں"۔
وہ کہتی —— "اگلے روز پھر ٹیلیفون کرتا —— " اچھا تو بدھ کی شام کو رقص پہ چلیں؟"

بدھ کو میں مصروف ہوں' تو پھر جمعرات کو پل پر انتظار کروں؟"
تین چار مرتبہ انکار کر کے آخر وہ سنیچر یا اتوار کے لئے مان جاتی۔ روز بڑی سنجیدگی سے مجھے سمجھاتا" لڑکی کے چار پانچ انکار برداشت کرنے چاہیئں

پھر اسے مجبوراً ہاں کہنی پڑتی ہے" سنیچر اتوار کے پروگرام مجھے موافق کرتے ہیں۔ اس لئے پیر سے پوچھنا شروع کر دیتا ہوں، لیکن اگر کسی اور دن کا پروگرام بنانا ہو تو اس کے مطابق ردوبدل کرنی ہوگی ۔۔"

وہ ہمیں حساب لگا کر بتاتا کہ جن پہاڑوں سے دجلہ نکلتا ہے وہ فرات کے پہاڑوں سے نیچے ہیں لہذا ان کی برف پہلے پگھلتی ہے پہلے دجلے میں سیلاب آتا ہے پھر فرات میں اور دونوں دریا سال میں پینتالیس لاکھ ٹن مٹی بہا کر لاتے ہیں ۔"

" اور جو پینتالیس لاکھ ایک ٹن یا چوالیس لاکھ ننانوے ہزار نو سو ٹن لاتے ہوں پھر؟" ہم پوچھتے ۔۔۔

" دجلے کی رفتار دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں کافی سست ہے اور فرات تو بالکل ہی آہستہ چلتا ہے ۔۔۔۔۔

"کسی رسالے میں آزاد نظم یا جدید آرٹ کی تصویر دیکھتا تو سوچنے لگتا پھر غالباً انھیں پرکار اور پیمانے سے ناپتا ۔۔۔

"مصرعوں کی لمبائی درست نہیں ہے خطوط اور کمپوزیشن میں بھی یہی نقص ہے۔ نظم نثر معلوم ہوتی ہے اور تصویر میں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔۔۔۔ میرے خیال میں یہ لوگ میرے اور آپ کے لئے شاعری یا مصوری نہیں کرتے بلکہ صرف ایک دوسرے کے لئے کرتے ہیں"

کوئی کسی ناخوش گوار واقعے سے افسردہ ہو جاتا یا غم لگا لیتا تو روز خفا ہو کر کہتا ــــ "ایسا واقعہ تین دن یا زیادہ سے زیادہ پانچ دن تک بھلا دینا چاہیئے۔ رہ گیا یہ فکر کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگوں کو اپنی پڑی رہتی ہے۔ اس معاملے میں پبلک کا حافظہ بحید کمزور ہے لہذا بہترین فارمولا یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر انسان اپنے آپ سے یہ سوال پوچھے کہ آج سے تین مہینے کے بعد آج کا واقعہ یاد رہے گا؟ اور اگر رہا بھی تو میری نظروں میں اس کی اہمیت ہوگی؟"

منصور سب میں کم گو تھا۔ الگ تھلگ رہتا، بغداد میں اکیلا جاتا، ہر مرتبہ اس کے ساتھ کوئی نئی حسینہ ہوتی لیکن محفلوں میں کبھی کسی لڑکی کا ذکر اس کے ہونٹوں پر نہیں آیا، اس کی باتوں سے ہم فقط اتنا اندازہ لگا سکے کہ ایک تو اسے میدان کے باشندے اچھے نہیں لگتے اور دوسرے اسے شکار اور گھوڑے کی سواری کا بہت شوق ہے۔ اور اپنے وطن کی پہاڑیاں بہت عزیز ہیں۔

"میدان کے شہریوں کی دوستی ان افیمیوں کی دوستی کی طرح ہے جو پینک میں چلے جا رہے تھے کہ ایک کنوئیں میں گر پڑا، دوسرے کو جب تنہائی کا احساس ہوا تو نعرہ لگایا۔ دوست کہاں ہو؟ ——

دجلہ

کنوئیں میں ہوں ـــــ جواب ملا۔ اچھا دوست ہماری تو یہ دعا ہے کہ جہاں رہو خوش رہو ـــــ یہ کہہ کر چلتا بنا ـــــ"

سب سے دلکش اور روح پرور وہ ہوا ہے جو گھوڑے کے کانوں کے بیچ میں سے گزر کر آتی ہے۔ وہ کہتا اسے اپنے گھوڑے سے اتنی محبت تھی کہ کیمپ کی موٹروں، لاریوں کے باوجود گھوڑے کو ساتھ رکھتا۔ اس کا ذکر اس طرح کرتا جیسے کسی دوست کی باتیں سنا رہا ہو ـــــ" اگر قصور پر سزا دو تو بیچارہ چپ چاپ برداشت کر لیتا ہے لیکن بلا وجہ ڈانٹ دو تو روٹھ جاتا ہے اور کئی کئی دن چارہ نہیں کھاتا۔ اس کی ماں ہمارے گھر میں رہتی ہے اس سے کوئی کام نہیں لیتے، اس کی اتنی ہی عزت کی جاتی ہے جتنی کنبے کی بڑی بوڑھیوں کی ہوتی ہے" ـــــ (اور مجھے اپنے وطن کے گھوڑے یاد آجاتے ان کی زبوں حالی پر افسوس ہوتا کہ آٹھ آٹھ موٹی تازی سواریاں بٹھا کر تانگے والے ہر دو منٹ کے بعد عادتاً چابک رسید کر دیتے ہیں)

ایک روز میں نے عربی سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔
اتنے دن ہو گئے ہیں کچھ تو سمجھ لیتے ہو گے؟" منصور بولا۔
یہ فقط گنے گنائے الفاظ آتے ہیں لیکن ان کی گردان بہت مشکل ہے ـــــ"

"شہروں میں تقیل - قتلو - تقتل ، قتلت ، یقیتون ـــــ
کے الفاظ تو بارہا سنے ہوں گے"۔

"میں نے بھی سنے ہیں۔ روزنہ نے کہا۔

"بس یہ قتل کی گردان ہے جو شہروں میں اکثر ہوتی رہتی ہے ـــ اس سے گرامر سیکھنے کی کوشش کرو"۔

برٹن کے ساتھ موٹر میں ہرن کا شکار کھیلنے گئے۔ اتفاق سے جو موٹریں ہمیں ملی ہوئی تھیں ان سے صحرائی ہرن تیز دوڑتا تھا۔ (روزنہ نے حساب لگا کر بتایا کہ پانچ میل فی گھنٹہ کا فرق ہے) اس قسم کا شکار مجھے اچھا نہیں لگا۔ میں نے روزنہ سے کہا کہ اس سے بہتر تو یہ ہوگا کہ ہم ہرن کو دستی بم یا ہوائی جہاز سے ہلاک کر لیا کریں۔ منصور نے موٹر سے ایک فائر بھی نہیں کیا۔ شکار کو بچ کر نکل جانے کا پورا موقعہ ملنا چاہیے ـــــ وہ دہراتا رہا ـــــ پھر ہم دونوں گھوڑوں پر شکار کھیلنے نکلے ـــ اس نے کردستان کی پہاڑیوں کے جانوروں ، پرندوں کی باتیں بتائیں ، شکار کے قصے سناتے وقت اس کی آنکھیں چمکنے لگتیں ـــــ "گھوم کر آتی ہوئی مرغابی ، پتھر کی طرح گرتا ہوا پرندہ ، لڑکھڑاتا ہوا ہرن ـــ کوئی اور نظارہ بھی اتنا حسین ہو سکتا ہے ؟"

ہم دونوں لمبی سیر پر نکل جاتے آبادی سے دور نکلتے ہی وہ لمبا سانس لے کر ہوا کو سونگھتا ۔۔۔ "اب ویرانے کی ہوا آئی ہے اس کی تازگی تم نے بھی محسوس کی ہوگی لوگ تنہائی اور ویرانی کا رونا روتے رہتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ انسان کے آنے سے پہلے دنیا اجاڑ ہی تو تھی اساری گہما گہمی اور چہل پہل اسی کے دم سے ہے۔ مرد جس جگہ خیمہ گاڑ دے وہیں رونق ہو جاتی ہے۔

"شاید تمہیں میری باتیں عجیب معلوم ہوتی ہوں، دراصل اس وقت پڑھا لکھا منصور نہیں بول رہا، دیہاتی کرد تم سے مخاطب ہے ۔۔ زندگی میں عجیب عجیب لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ترشی، بد کلامی اور دنگے فساد سے مجھے نفرت ہے لیکن بعض اوقات کوئی ایسا خبیث بھی سامنے آکھڑا ہوتا ہے جو فطرتاً بدگو، بد خو اور بد کردار ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر انسانیت اور شرافت کے درس دینا نری بزدلی ہے اس سے اسی زبان میں گفتگو کرنی چاہیئے جسے وہ سمجھ سکتا ہو اور ایسا سبق سکھانا چاہیئے کہ عمر بھر نہ بھولے ۔۔"

میں نے ان حسین لڑکیوں کے متعلق پوچھا جن سے وہ بغداد میں ملا کرتا ۔۔۔ "ہاں کئی ہیں۔ وہ مسکرانے لگا۔

"کوئی منتخب کی ؟"

"ابھی تک نہیں چن سکا، دیر تک کنوارے رہنے میں یہی خرابی ہے،
جب شوخ و شنگ موسیقی سنتا ہوں تو چنچل سلامہ یاد آتی ہے جس کی موجودگی
راگ رنگ کو سہ آتشہ بنا دیتی ہے پھیکی مٹیالی سی سہ پہر کو حزن کا مجسمہ سلمیٰ
سے ملنے کو جی چاہتا ہے جو بے کیف فضا پر یوں چھا جاتی ہے کہ آنسو نکل آتے
ہیں، بذلہ سنجی میں ناصرہ کا کوئی جواب نہیں، جب محض خرافات بکنی ہو تو نوریہ
جیسا رفیق ملنا مشکل ہے، زندگی کے اداس لمحوں میں جی چاہتا ہے کہ پر لگا کر منیرہ
کے پاس پہونچ جاؤں دلجوئی کرنا کوئی اس سے سیکھے — بہت سے منصوبے
باندھ لئے ہوں یا اپنے متعلق غلط فہمی ہونے لگی ہو تو حمیدہ کی تمکنت اور
حسن بے پناہ کے سامنے سب کچھ بھسم ہو جاتا ہے۔ خود پسندی اور انا کا
بھوت اترتے دیر نہیں لگتی — اچھی چیزیں کھائے ہوئے عرصہ گزر چکا ہو
تو مستورہ بھلائے نہیں بھولتی — تباؤ میں کیا کروں؟ اتنی ساری خوبیاں
ایک لڑکی میں کیوں کر اکٹھی ہو سکتی ہیں؟"

•

سنیچر کی رات تھی ہم رقص گاہ میں بیٹھے موسیقی سن رہے تھے ایک لڑکی قریب سے گزری جبیں نے اسے ٹھہرا لیا — "معاف کیجئے آپ کی میز پر وہ خوبصورت سی لڑکی کون تھی؟"

"میں —" اس نے جواب دیا۔

"مگر اس کے رخسار پر تو تِل تھا"

"سرمے کا تِل تھا رومال سے اتر گیا ہوگا — فرمائیے!"

"میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے شاید ملا بھی ہوں۔

آپ نے مجھے دیکھا ہوگا لیکن میں آپ کو نہیں جانتی کیوں کہ ابھی

ابھی بوزاد آئی ہوں۔"

"لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ——"

"اب آپ یہ کہیں گے کہ میری شکل جانی پہچانی سی ہے، میں آپ کو خوابوں میں نظر آتی رہی ہوں۔ یا آپ کو مدت سے میرا انتظار رہا ہے ——" وہ آنًا فانًا میں غائب ہوگئی۔

جہ جبیں بہت خفا ہوا۔ "میں نے دیکھا کسی اور کو تھا لیکن اب اس پہ عاشق ہو کر نہ دیکھا یا تو نام جہ جبیں نہیں ——"

وہی لڑکی پھر سامنے سے گزری، جہ جبیں کی طرف دیکھا تک نہیں ——

وہ کچھ دیر تلملاتا رہا پھر سیدھا لڑکیوں کے گروہ کا رخ کیا اور فوراً واپس آگیا —— "رقص کے لئے کہا تھا نہیں مانی۔"

موسیقی شروع ہوتی تو جہ جبیں تیزی سے اس کی طرف جاتا اور انکار کرا کے واپس آجاتا۔ ایک دفعہ جو گیا تو بھاگا بھاگا آیا —— وہ کہتی ہے یہاں اتنے لڑکے بیٹھے ہیں جو تم سے لاکھ درجے بہتر ہیں بھلا تم میں ایسی کون سی خوبی ہے جس پہ اترا رہے ہو۔" للہ کوئی منھ توڑ جواب سوچو تاکہ اسے چپ کرا دوں۔ میں نے مشورہ دیا کہ اس موضوع پہ فارسی کا ایک شعر ہے۔ گلشن میں صبح صبح بلبل نے گلاب کے پھول سے کہا کہ چاروں طرف کتنے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ جو رنگ روپ میں تجھ سے بہتر ہیں —— پھول نے جواب دیا۔ یہ سچ ہے مگر اپنے

محبوب سے کوئی اس طرح بھی کلام کیا کرتا ہے ؟

وہ سرپٹ دوڑ گیا — پھر واپس مشورہ لینے آیا، پھر چلا گیا، پھر آیا تو پیچھے پیچھے وہ بھی آ گئی — "تو آپ اسے پڑھا پڑھا کر بھیج رہے ہیں خود میدان میں آئیے —"

روزا اور موہن پہلے سے تیار بیٹھے تھے ہم دوسری طرف چلے گئے اتنے میں ایک پیاری سی لڑکی آئی اور گروہ میں شامل ہو گئی، اس کے رخسار پر تل تھا — یہ آپ کا تل — ہر جیسے کچھ کہنے لگا تھا میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں ہند سے آیا ہوں —"

"یہاں آنے سے پہلے آپ نے عراق کا نام سنا تھا ؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"بچہ بچہ اس نام سے آشنا ہے" — تا تریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود والی کہاوت کا ترجمہ سنا دیا۔

"اور بغداد ؟"

" بغداد کے چور کو کون نہیں جانتا —"

"اور بصرہ ؟"

" اس پر تو گیت لکھے جا چکے ہیں — ایک حسینہ ہند سے فرار ہو کر بصرہ پہونچ گئی ہے۔ ہندی نوجوان کسی لٹھ باز سے درخواست کرتے

ہیں کہ اسے گھیر کر واپس لے آئے ۔"

"یہ تو کچھ نہیں ۔" تل والی نے منھ بنا کر کہا ۔

"ہوں" میرے کان میں بولا ۔" خان صاحب میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ترجمے میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی ۔ ایک اخبار میں ڈاگ ریس کا ترجمہ کتوں کی گھڑ دوڑ میں نے خود پڑھا تھا ۔"

"آپ کے یہاں رومانی گیت بھی تو ہوتے ہوں گے ؟"

"پہلے ہوا کرتے تھے اب فلمی گانے رہ گئے ہیں ۔"

"پرانے گیتوں میں سے کوئی سنائیے ۔"

سہیلیاں آپس میں باتیں کر رہی ہیں ایک کہتی ہے ۔ میرے چھیل چھبیلے بانکے سپاہی کو دیکھا اس رنگ رنگیلے جھوٹے ہرجائی کا کیا پوچھتی ہو۔ اس جیسا زمانے میں کوئی نہیں ہے ۔"

"ہائے تمہارے ہاں جھوٹے محبوب کو بھی پسند کیا جاتا ہے ؟"

"محبوب جھوٹا بھی ہو تب بھی اس محبوب سے کہیں اچھا لگتا ہے جو سچ بولتا ہو مگر غیر دلچسپ اور کھڑوس ہو ۔ محبوب سے الفت اس کی خوبیوں کی بنا پر نہیں کی جاتی ۔ محبت تو اس کی برائیوں کے باوجود بھی ہو جاتی ہے اور پھر چھوٹی موٹی چالیں ذرا سا جھوٹ تھوڑی سی ہیرا پھیری محبت اور جنگ دونوں میں جائز ہیں ۔"

"لیکن ہم سپاہیوں سے کتراتے ہیں۔ وہ کسی دن دور چلے جاتے ہیں ___"

"اگر وہ چلتے پھرتے نہ رہیں تو ان سے ملاقات کیوں کر ہو ___؟"

"لیکن ایک مشرقی لڑکی کسی ہرجائی کو کیسے پسند کر سکتی ہے ___"

"یہ مشرقی لڑکی کیا ہوتی ہے؟ مشرقی ایشیائی مغربی کی اضافت محض دم چھلا ہے۔ لڑکی ہر جگہ لڑکی ہوتی ہے اور محبوب محبوب ہوتا ہے ہرجائی ہو یا اور کچھ ___"

"ہمیں ایک گیت اور سنائیے ___" تل والی کے نازک ہونٹ ہلے۔

"ایک حسینہ سوچ رہی ہے ___"

اچانک زیور کیوں بھانے لگے ہیں؟

کہیں سہاگ کے دن تو نہیں آ رہے؟

یہ صحرا میں تتلیاں کہاں سے آ گئیں؟

ویرانوں میں پھول کون کھلا گیا؟

ایسی سہانی رت تو کبھی نہیں آئی؟

میرے اللہ کیا ہونے والا ہے؟

"ہائے یہ تو بہت لطیف ہے ___" رخسار سرخ ہو گئے اور تل نمایاں ہو گیا اس کا نام سعدہ تھا! اور جس نے جرجیس کو پریشان کر رکھا تھا وہ لوئی زا تھی۔

موہن نے پھر سرگوشی کی۔

"ایسی ماڈرن لڑکیاں تو ہر ملک میں مل جاتی ہیں یہاں کی اصلی لڑکیوں سے بھی ملاقات ہونی چاہیئے۔

میں نے اسے بتایا کہ یہاں کی زبان سمجھ میں نہیں آتی، ملاقات کا وقت تک مقرر نہیں کیا جا سکتا، دن تو آسان ہیں، اتوار یوم الاحد تھا اس سے آگے انگلیوں پر گن سکتے ہیں"۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک بجے الساعۃ واحدہ ہوتی ہے، الساعۃ خمس پر پانچ بجتے ہیں لیکن جب کوئی الساعۃ واحدہ نصف الا خمس وقائق کہہ کر چل دے تو فرشتوں تک کو خبر نہیں ہوتی کہ اس نے ایک بج کر پچیس منٹ کا وقت دیا ہے یا الساعۃ اثنتان وثلث سے مراد دو بج کر بیس منٹ ہے"۔

"لیکن زبان تو سیکھنی پڑے گی"۔

میں نے منصور سے کہا کہ مقامی باشندوں سے بھی ملنا چاہیئے۔

"اب تم سے کئی ملیں گے —" وہ مسکرا کر بولا۔ چنانچہ سلیم خود ملنے آیا — چھوٹے قد کا پلا ہوا چکنا چپڑا انسان — موٹی سی ابھری ہوئی ناک ہاتھوں کلائیوں، گردن اور کانوں پر بال ہی بال تھے مگر سر پہ کچھ نہیں تھا۔

"بزنس کے علاوہ اس سے کسی اور موضوع پہ گفتگو کرو —"

منصور نے سب کو بتایا

"مسعودی نے لکھا ہے کہ ــــ"

"مسعودی کون تھا؟" سلیم نے گھبرا کر پوچھا

"اپنے زمانے کا مشہور مورخ تھا ـ"

"مورّخ تھا؟ ــــ اچھا!"

"ابن بطوطہ بغداد آیا تو اسے یہ شہر پسند نہیں آیا؟"

"کیوں ــــ؟" وہ چونکا

"یہ ابن بطوطہ سے پوچھیے؟"

"ابن بطوطہ کون تھا ـ؟"

"سیاح تھا ـ"

"سیاح تھا؟ ــ اچھا!" ــــ دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں ــــ

اس کے جانے کے بعد منصور بولا ــ "بغداد میں رہتا ہے ــــ میں نے کہا تھا نا کہ شہریوں سے ملنا بیکار ہے ـ"

"یہ آیا کس سلسلے میں تھا؟"

"سعدہ کا عاشق ہے ــ تم سے ملنے آیا تھا ـ"

"کہیں خفا تو نہیں ہو گیا؟"

"نہیں ـــــــ پھر آئے گا"

اگلی دفعہ اپنے ساتھ ایک اور موٹا تازہ چکنا گنجا دوست لایا جو کسی اسکول میں مدرس تھا۔

فوراً منصور نے چوٹ کی ــــ" یہ بتائیے کہ ہمارے بڑے بڑے عالم الاصفہانی، المصری۔ البیرونی۔ البلخی، الہندی الخوارزمی کیوں تھے، کوئی العراقی۔ البغدادی یا الموصلی بھی گزرا ہے؟"

"الکرڈی بھی کوئی نہیں تھا ــــ" سلیم کا دوست بولا۔

"پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے ــــ"

"عربی ادب کی جامع فہرست البغدادی نے مرتب نہیں کی تھی؟"

"لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ بغداد کے تھے یا یہاں تھوڑے سے عرصے کے لئے رہے تھے کیوں کہ یہ کتاب قسطنطنیہ میں مرتب ہوئی تھی۔"

"مان لیا کہ بغدادیوں نے کچھ نہیں کیا کردوں نے کون سے تیر مارے تھے؟"

"کردوں نے چنگیز خاں کی فاتح فوج کو پہلی مرتبہ شکست کا مزہ چکھایا اس کے بعد طوکی خاں کو خوار کیا اگر کرد اسے نہ روکتے تو اسی ریلے میں منگول شمالی افریقہ تک پہونچ جاتے۔ کردوں نے چنگیز کے پوتے ہلاکو کو بغداد جانے والی شاہراہ سے نہیں گزرنے دیا ــــ مجبوراً اسے ایران سے

ہو کر آنا پڑا — بغداد کو تباہ کر کے اس کی فوجیں ہمارے پہاڑوں کے قریب آئیں تو ہم نے مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا۔"

"آپ تو ساری قوم کا ذکر کر رہے ہیں — کسی ایک کرد کا نام لیجئے —"

"غازی صلاح الدین جیسا عظیم الشان آج تک کسی اور ملک نے پیدا کیا ہے ؟"

سلیم کا دوست خاموش ہو گیا لیکن سلیم نے گلا صاف کرتے ہوئے شکایت کی —

"جب جانتے ہو کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تو پھر کیوں پوچھتے ہو — اگر میں سوال کروں کہ چمڑے کا بھاؤ ہے کیا ؟ آج کل فولاد خریدا تو نفع ہوگا یا نقصان، کپاس اور چاول کے نرخ کس طرف جا رہے ہیں ؟ تو پھر ؟"

اگلے روز منصور نے پوچھا کہ اب ایک صحرا نشین شیخ سے ملو گے ؟ میں نے بدوؤں کی مہمان نوازی کی کہانیاں سنی تھیں۔ کہ جو بدو شہروں سے دور صحرا میں رہتے ہیں وہ واقعی مہمانوں کو سر آنکھوں پر لیتے ہیں — کوئی آ جائے تو یہ کبھی نہ کہا جاتا کہ صاحب گھر میں نہیں ہیں۔ یا نہا رہے ہیں بلکہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اے ہمارے معزز مہمان آپ دور سے تشریف لائے، ہماری عزت افزائی فرمائی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم مہمان ہیں اور آپ صاحب خانہ' — (مہمان

بھی شرافت سے کام لینا ہے اور اگلی صبح کو روانہ ہو جاتا ہے) ایسے موقعوں پر میزبان کی بیوی کا نام نہیں لیا جاتا (اگر وہ ڈنر میں شامل نہ ہو تو اسے دقیانوسی نہیں سمجھا جاتا) اتفاقاً اس کا ذکر آجائے تو مہمان ادب سے اسے اُم العیال کہتے ہیں یہ بھی سنا تھا کہ بدّو کی دعوت ہمیشہ قبول کر لینی چاہیے — ایک مرتبہ کسی شیخ نے ایک غیر ملکی کو شادی کی تقریب پر مدعو کیا اس نے معذوری ظاہر کی اور معافی مانگ لی۔ چنانچہ صحیح تاریخ پر اسے اغوا کر لیا گیا اور دعوت میں شامل کر کے بعد میں واپس بھیج دیا گیا۔ اگلے روز اسے شیخ کا خط ملا جس میں شمولیت کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

شیخ کا دعوت نامہ آیا تو ہم سب گئے — کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد نخلستان آیا، شیخ ہمارا منتظر تھا، اسی کے لگ بھگ عمر تانبے جیسا رنگ، کشادہ سینہ، مسکراتا ہوا چہرہ، بتیس دانتوں میں سے ایک بھی مصنوعی نہیں تھا۔ اس نوجوان بوڑھے کو دیکھ کر ہم جوانوں پر بڑھاپا طاری ہو گیا۔ کئی ملازم مودب کھڑے تھے لیکن وہ کسی کو ہمارے قریب نہ آنے دیتا، خود سگریٹ پیش کرتا، سلگاتا، راکھ دانی سامنے رکھتا، شربت بنا کر دیتا۔ پھر ہم سب کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ دروازہ بند کر کے الماری کھولی — "میں خود تو اس سے محروم ہوں لیکن معزز مہمان شوق فرمائیں —" اس نے انگریزوں سے مخاطب ہو کر کہا —

الماری میں وہسکی اور سوڈے کی بوتلیں تھیں جن پر گرد جمع تھی۔ طشت میں برف کی ڈلیاں تھیں۔ سب خاموش ہو گئے کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا۔

ضیافت بید پر تکلف تھی لیکن اس نے ایک لقمہ نہ چکھا مہمانوں کے سامنے چیزیں رکھتا رہا اور اتنی دیر کھڑا رہا۔

"اس عمر میں ایسی قابل رشک صحت کا راز کیا ہے؟" برٹن نے پوچھا (جس کے آدھے سے زیادہ دانت مصنوعی تھے)

"نخلستان میں کئی ایسے ہیں جو مجھ سے بڑے اور مجھ سے زیادہ..... تندرست ہیں۔"

"سنا ہے کہ آپ اسی برس کے ہیں۔"

"اسی برس کا اس لئے ہوں کہ میں اٹھارہ سو باسٹھ کے لگ بھگ پیدا ہوا تھا۔"

"سب ہنسنے لگے۔"

"منصور کہتا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی بید خوشگوار رہی ہے شادی ہوئے ساٹھ برس گزر گئے لیکن کبھی ام العیال سے لڑائی نہیں ہوئی۔ آپ نے یہ معرکہ کیسے مارا؟" برٹن نے پوچھا۔

"میں اپنے کاموں میں مصروف رہتا ہوں اور میری بیوی گھر کے

دھندوں میں لگی رہتی ہے۔ لڑنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"آپ چھپا رہے ہیں ـــــ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی ـــــ؟"

"مدتیں گزریں ایک معمولی سا واقعہ ضرور پیش آیا تھا ـــــ میں بے حد مفلس تھا کسی سے اونٹنی مانگ کر شادی کرنے گیا سادہ سی رسم کرنے کے بعد بیوی کو اونٹنی پر بٹھا کر واپس روانہ ہوا ـــــ ایک جگہ اونٹنی بلا کسی وجہ کے مچلنے لگی، بہتیرا پیار کیا تھپتھپایا لیکن قابو میں نہ آئی، نیچے اتر کر مہاریں کھینچیں بڑی مشکل سے سیدھی ہوئی تو اسے تنبیہہ کی ـــــ اونٹنی! یہ حرکت پہلی دفعہ کی ہے پھر مت کرنا ـــــ ہم روانہ ہوئے بمشکل آدھ میل گئے ہوں گے کہ جھاڑیوں سے چند پرندے اڑے اور وہ بدک کر کودنے لگی میں پھر چھلانگ کر نیچے اترا، بڑی مصیبتوں سے اسے رام کیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ خبردار اونٹنی! یہ دوسری دفعہ ہے!! آگے کھیت میں ذرا ذرا پانی کھڑا تھا۔ وہ پھر مستیاں کرنے لگی۔ میں نے کندھے سے بندوق اتار کر اونٹنی کو وہیں ہلاک کر دیا۔ بیوی تو اب تک بالکل گونگی تھی یا یکلخت برس پڑی، مجھے خر دماغ، ظالم اور بے وقوف کہا کہ طیش میں آکر اتنا نقصان کر لیا، اپنے والدین کو کوسا کہ ایسے اجڈ کے پلے باندھ دیا ـــــ میں نے سب کچھ سن کر تنبیہہ کی ـــــ "خبردار بیوی!

"یہ پہلی دفعہ ہے!!" حضرات ساٹھ برس گزر گئے اور دوسری

مرتبہ خبردار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی ۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ واپسی پر منصور بولا — "یہ چشموں کے پانی کا اثر ہے — دریا کے پانی میں یہ بات کہاں —؟"

"لیکن دنیا کی قدیم ترین بستیاں دریاؤں کے کنارے پر آباد ہوئی تھیں، چھ سات ہزار سال پہلے انسان نے پہلا مکان اور پہلا گاؤں دجلہ فرات پر بنایا تھا — برٹن نے کہا۔

فرات کی طرح دجلہ بھی ترکی کے پہاڑوں سے نکلتا ہے — کردستانی پہاڑیوں کے بعد جب میدانی علاقہ آتا ہے تو اس میں دو دریا گرتے ہیں۔ جو ذرا لمبا ہے — اسے الزاب الاعلیٰ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو الزاب الاسفل (محض پچاس ساٹھ میل کے لئے کسی دریا کو برا بھلا کہنا سراسر زیادتی ہے)

شمال میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں دجلہ و فرات تقریباً آپس میں مل جاتے ہیں، میدانوں میں نہریں انھیں ملاتی ہیں پھر قرنا کے قریب واقعی مل کر شط العرب بن جاتے ہیں اور بالآخر خلیج فارس میں جا گرتے ہیں، شروع سے آخر تک ان کی یہی کوشش رہتی ہے کہ اکٹھے رہیں۔

دونوں میں طغیانی آتی ہے، دونوں گدلے ہیں، دونوں ویرانے سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے کناروں پر قدیم ترین تہذیبوں کے کھنڈرات ہیں۔ فرق

صرف اتنا ہے کہ فرات اور اس کے یورپین نام یوفریٹیز میں کچھ مطابقت ہے لیکن دجلے کا ٹائیگرس سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

کہتے ہیں طوفان نوح یہیں آیا تھا اور باغ عدن قرنا کے قریب تھا (عدن والے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں تھا) اور یہ کہ پرانے زمانے میں دونوں دریا علاحدہ علاحدہ سمندر میں گرتے تھے اسی سے دہانے اٹتے گئے، زمین بنتی گئی اور سمندر دور ہوتا گیا۔

دریاؤں کی مٹی نے میسوپوٹیمیا (یعنی دوآبے) کو ہزاروں سال سے زرخیز بنائے۔

مدتوں گزریں کہ دنیا کی سب سے پہلی قوموں کی ملاقات خلیج فارس کے ساحل پر ہوئی — تین مختلف قسموں کے انسان آپس میں ملے۔ دراوڑ جوکہ غالباً ہندستانی تھا مکران کی طرف سے آیا تھا، حامی افریقہ سے اور منگول وسط ایشیا سے۔ یہاں سبزہ تھا پانی کی افراط تھی، غالباً یہ لوگ سبزی دیکھ کر خوش ہوئے ہوں گے، ممکن ہے کہ ایک دوسرے کو حیرت سے گھورا ہو ان دنوں بھی ترچھی آنکھوں والے چینی جاپانی دوسری قوموں کو پہلی مرتبہ دیکھ کر حیران ہوئے ہوں گے کہ ان کی آنکھیں عجیب ہیں)

بہرحال ان دنوں نسل، رنگ وغیرہ کا امتیاز نہیں تھا۔ یہ لوگ متحمل تھے لہٰذا اکٹھے رہنے لگے لیکن بہت جلد دوآبے کی خوش حالی

کی خبر ادھر ادھر پہونچ گئی اور اغیار کشاں کشاں آنے لگے۔

نسل انسانی آہستہ آہستہ تہذیب یافتہ ہو رہی تھی۔ چنانچہ بستیاں شروع ہو گئیں۔ ۴۰۰۰ء قبل از مسیح کے لگ بھگ پہیہ ایجاد ہوا کہ حملہ کرنے اور بھاگنے میں آسانی رہے۔ تانبے کا استعمال شروع ہوا۔ آئینہ بنایا گیا اور اس کے ساتھ ہی میک اپ کا سامان (اور خواتین ہر جگہ لیٹ پہونچنے لگیں)

جنوبی علاقہ میں سمیرین لوگوں نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی اور سیلاب عظیم کی کہانی بیان کی (جو طوفان نوح کے تذکرے سے ملتی جلتی ہے) پہلے اشیاء کا مبادلہ اشیاء سے ہوتا تھا۔ انھوں نے چاندی رائج کرکے "زر" کا ریکیٹ شروع کیا۔ زر کے ساتھ لکھا پڑھی لازمی ہے چنانچہ "میخی رسم الخط" جاری کرنا پڑا اور روپے پیسے کے سلسلے میں انسان نے پہلی مرتبہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ ان باتوں کے قصے جہاں جہاں پہونچے حملہ آور ساتھ لائے (حملہ آوروں کی کبھی کمی نہیں رہی) شمال سے سامی لوگ آدھمکے عکانیوں نے دیکھا دیکھی حملے شروع کئے جو چار سو برس تک جاری رہے (ایک دفعہ پہاڑ کی سمت سے حملہ شروع ہو جائے تو ختم ہونے میں نہیں آتا) حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ تنگ آکر سمیرین لوگوں کو جنگ آزادی لڑنی پڑی اور

غیر ملکیوں کو بھگانا پڑا انھوں نے دوبارہ آزاد ہو کر بابل، صبایا۔ بابل کے معنی تھے دیوتا کا دروازہ، لیکن بعد میں یہودیوں نے بتایا کہ ان کی زبان میں بابل انتشار کو کہتے ہیں (یہودی ہمیشہ الٹا مطلب نکال لیتے ہیں) بابل کا شہرہ ہندستان میں پہونچا تو حملہ کرنے کے بجائے 'بابل کی دیس' اور 'بابل مورا نیہر چھوٹا جائے' گا کر محفوظ ہوئے۔

سمیری لوگوں نے فریقین میں بیچ بچاؤ کرانے کے لئے پہلی مرتبہ ثالث مقرر کئے (تنازعے چکانے کے لئے یہ طریقہ پانچ ہزار سال سے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر مرتبہ فیل ہوتا ہے) ان لوگوں کو جنت و جہنم کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ چنانچہ ان کا مذہب فقط اسی دنیا تک محدود تھا۔ ان کے مشہور بادشاہ حمورابی نے مٹی کی تختیوں پر اپنے ماتحتوں کو خطوط لکھوائے اسے اپنی زندگی میں شبہ تک نہ ہوا کہ مکاتیب حمورابی کے ذریعے وہ دنیا کے اوّل ترین قوانین وضع کر رہا ہے۔ ان دو سو بیاسی قوانین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کافی تہذیب یافتہ تھے۔ ان کے ہاں انکم ٹیکس والے تھے اور رشوت و سفارشیں کرنے والے افسر بھی حمورابی نے سماج کو تین حصوں میں تقسیم کیا ــــ آزاد لوگ، نیم آزاد اور غلام (یہ تقسیم مدتوں تک رہی) ہر چیز کی قیمت مقرر کی گئی اور بیلکہ

سے کہا گیا کہ ایک سے زائد شادی نہ کریں، قافلوں کا کرایہ نامہ اور ٹائم ٹیبل بنایا گیا۔ قرض کے سلسلے میں سود رائج کیا اور سزائے موت کی قسمیں مقرر کیں مثلاً زہر کھانا، دریا میں ڈوب کر مرجانا وغیرہ۔ ٹھیکیداروں، بلڈروں، اور دفتری کارروائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ یعنی مکان کے قبل از وقت گر جانے سے بیٹا دب کے مرجائے تو تعمیر کرنے والے ٹھیکیداروں کے لڑکے کو مار دیا جاتا تھا، بے تو جہی یا لاپرواہی پر طبیب کو پکڑ کر حکام لے جاتے تھے۔ طبیبوں کے پاس مہریں تھیں جنھیں وہ نسخوں پر لگاتے تھے (اس زمانے کے نسخے بہت مختصر ہوتے تھے مثلاً دانت کے درد کے لئے سورج مکھی پیس کر لگاؤ، پیٹ میں درد ہو تو دودھ پیو ۔۔۔ گنجے پن کے لئے سر پر شراب اور تیل کی مالش کرو) کسی کے پاس رقم یا جائیداد ہو مگر متعلقہ کاغذات نہ ہوں تو سزا۔ موت ملتی تھی تہمت لگا کر نہ ثابت کرسکنے پر بھی سزائے موت ۔۔۔ جرمانے غریبوں کے لئے کم تھے اور امیروں کے لئے زیادہ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت کے قانون نے دنداں سازوں پر ضرور اثر ڈالا ہوگا۔ حمورابی کے ان سخت قوانین نے (جن میں غالباً سب سے نرم سزا موت تھی) رعایا کے حقوق اور ان کی ملکیت کی پوری پوری حفاظت کی اور عورتوں کو مردوں کے برابر لا کھڑا کیا۔ وہ مردوں پر مقدمے دائر

کر کے ان سے طلاق لے سکتی تھیں ۔ جائیداد پر قبضہ کر سکتی تھیں ۔

ان دنوں لوگوں کو ایک خاص وضع کی عجیب و غریب عمارت بنانے کا بہت شوق تھا ۔ پختہ اینٹوں میں گھاس اور نرسل کی تہیں جما کر ایک عظیم الشان چبوترہ تعمیر کیا جاتا تھا ۔ جس کی سات منزلیں ہوتی جو لمبائی چوڑائی میں سکڑتی چلی جاتیں ۔ دن کے وقت یہ عمارت مندر کہلاتی تھی اور رات کو سیڑھیوں سے ستاروں کا مطالعہ ہوتا تھا ۔ محققین کا خیال ہے کہ اس طرح پہاڑیاں بنانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا کیونکہ اگر علاقہ پہاڑی نہ ہو تو وہاں پہاڑیاں بنانا بہت مشکل ہے ۔ روایت ہے کہ بابل کا مینارہ جس پر تباہی آئی تھی اسی قسم کا تھا ، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چبوترہ آسانی سے مسمار نہیں کیا جا سکتا ۔ ان میں سے چند عمارتیں (جنھیں زگرت کہا جاتا ہے) اب بھی موجود ہیں اور ان کی تہوں کی گھاس اونٹ کھاتے ہیں ۔

بیسویں صدی قبل از مسیح میں پھر سڑ بونگ مچی ، شمال سے خانہ بدوشوں نے ہلّہ بول دیا ، خطیطی آئے ، کیستی آئے اور سمیرین حکومت تباہ ہو گئی ۔ اس مرتبہ حملہ آور گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے تھے ۔ بابل والوں نے پہلی مرتبہ اس جانور کو دیکھا تو اسے پہاڑی گدھا کہا (بابل والے شیر کو بڑا سا کتا اور موتیوں کو مچھلی کی آنکھیں کہا کرتے تھے ، غالباً انھیں غلط نام رکھنے کا شوق تھا) ساتھ ساتھ دجلے کے کنارے بڑی مشقت پسند اور

مضبوط قوم آباد ہوگئی۔ یہ اشور کا دارالخلافہ بنا کر اشوری بن گئے۔ ان کا مقولہ تھا کہ ہر وقت لڑتے رہنا ہی بہترین دفاع ہے چنانچہ جنگ کا ایک نیا طریقہ ایجاد ہوا وہ یہ کہ مار مار کر دشمن کا بھرکس نکال دو (قیدیوں کا بھی) پھر مفتوحہ شہروں پہ اچھی طرح ہل چلا کر پانی دے دو کہ ہمیں تو دشمن سے خطرہ تھا۔

شروع شروع میں یہ ڈنڈے مار نظریہ بڑا کامیاب ثابت ہوا۔ بابل کو تلوار سے مطیع نہ کر سکے تو دریا کا رخ بدل دیا۔ شہر میں پانی آ گیا اور لوگ بھاگ نکلے۔ اس قدیم پایۂ تخت کو تباہ کر کے نئے پایۂ تخت کی فکر پڑی تھا۔ افسوس بھی ہوا کہ اگر زیادتی نہ کی ہوتی تو مناسب ترمیم و اضافے کے بعد بابل اچھا بھلا دارالخلافہ بن سکتا تھا۔ آخر پھر واپس شمال کی طرف روانہ ہوا اور دجلے کے کنارے نینوا کو چنا جو معمولی سا گاؤں تھا۔

نیا شہر کافی مہنگا پڑا۔ جگہ جگہ دیواروں پہ ملبی ملبی داڑھیوں والے شیر بنائے گئے جن کے کندھوں پر بڑے بڑے پر تھے (یہ شیر برٹش میوزیم میں رکھے ہیں) داڑھیوں والے بیل بھی نصب کئے گئے (اشوریوں کو انسانوں سے زیادہ حیوان پسند تھے)۔

حمورابی کے قوانین منسوخ کر کے انھوں نے دنیا کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا (اشوریوں کے طرفدار کہتے ہیں کہ بیچاروں کو اتنا کڑا ٹیکس ادا کرنا

پڑتا تھا کہ ادائیگی کے لئے دوسرے ملکوں میں لوٹ مار کرنی پڑی تھی) لیکن دوسرے ملکوں کو اشوری فلسفۂ حیات معلوم ہو چکا تھا۔ چنانچہ اشوریوں کی سلطنت سو برس تک بھی نہیں چلی۔ نینوا کی تباہی پر (جو اشوریوں کے پسندیدہ طریق سے کی گئی تھی) سارے ملک خوش ہوئے (اس واقعہ کے دو سو سال بعد یونانی مورخ زینوفن نینوا سے گزرتا تو وہاں نہ نینوا تھا نہ کوئی اشوری) ویسے اشوری اتنے برے بھی نہیں تھے۔ کبھی جنگ وجدل سے فرصت ملتی تو خطیطوں کی لکھی ہوئی تختیاں اکٹھی کر کے لائبریریاں بناتے۔ آخری اشوری بادشاہ اشور بنی پال نے دنیا کی پہلی لائبریری بنائی۔ لائبریری کے کھنڈر سے بائیس ہزار پختہ مٹی کی تختیاں ملی ہیں (جو حسب معمول برٹش میوزیم میں ہیں) فہرست کتب کے علاوہ اس کے مختلف سیکشن تھے۔ مذہب، سائنس، تاریخ، ادب — لیکن ان کے مصنف اشوری نہیں تھے۔ ہر تختی پر شاہی حکم درج تھا کہ اسے لائبریری سے باہر لے جانا منع ہے۔ ایسی کتابوں کا چرانا محال ہوتا ہوگا۔ اتنی وزنی چیز کوئی چھپا کر نہیں لے جا سکتا خصوصاً جب کتاب کے پاش پاش ہو جانے کا بھی ڈر ہو۔

اب میڈین لوگوں کی باری آئی — یہ بڑی سخت قوم تھی۔ جب سیتھین لوگوں نے ان پر حملہ کیا تو لڑتے رہے ہار نہیں مانی حتیٰ کہ اٹھائیس برس گزر گئے اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا (حملہ آور تنگ آ کر واپس لوٹے تو معلوم

ہوا کہ عورتوں نے پہلے انتظار کیا پھر غلاموں سے شادی کر لی چنانچہ آقاؤں نے دارالخلافہ کو گھیر کر تلواریں نکال لیں۔ غلاموں نے مقابلہ کیا۔ کئی دنوں کی شدید لڑائی کے بعد کسی جہاں دیدہ بزرگ نے مشورہ دیا کہ غلاموں سے برابر کا سلوک کرنا نری بے وقوفی ہے۔ کل تلواروں کے بجائے ڈنڈے اور دُرّے استعمال کرو — چنانچہ اگلے روز آقا گالیاں دیتے ہوئے بڑھے اور غلاموں کو زدو کوب کرنا شروع کر دیا — غلاموں نے فوراً ہاتھ جوڑ دیئے اور مشہور ذہنیت کا ثبوت دے دیا۔)

ساتویں صدی ق۔م کلدانی اور میڈین آئے۔ چوں کہ کلدانی دست خاص سے نینوا پر ہل چلا چکے تھے اس لئے آتے ہی انھیں دارالخلافے کی فکر پڑی۔ نینوا کو از سر نو تعمیر کرنے میں جگ ہنسائی کا ڈر تھا اس لئے انھوں نے مجبوراً پرانے بابل کو چنا۔ بابل جدید میں کلدانی بادشاہ بنو کد نضر نے چالیس برس تک حکومت کی، جوانی میں کسی پہاڑی دوشیزہ سے شادی کر بیٹھا تھا جو ان تپتے ہوئے میدانوں میں پہاڑوں کو یاد کر کے آنسو بہایا کرتی (گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوتے ہی لڑکیاں پہاڑوں کو یاد کرنے لگتی ہیں) بادشاہ نے بہتیرا سمجھایا بجھایا آخر اسے معلق باغات تعمیر کرانے پڑے (جو بعد میں زمانہ قدیم کے سات عجائبات میں شامل ہوئے) معلق باغات کے متعلق قیاس آرائیاں ہوتی ہیں کہ وہ کیسے تھے۔ جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اس سے تو

یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لاہور کی شملہ پہاڑی سے ملتے جلتے تھے۔ شاید
ملکہ معلق باغات سے بھی مطمئن نہیں ہوئی (کیوں کہ ان پر پھول پرندے درخت
تو تھے خنکی نہیں تھی) کہتے ہیں کہ بنوکد نظر نے بیوی کی دائمی افسردگی سے
تنگ آکر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں
علم ہیئت کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور پہلا کیلنڈر مرتب ہوا۔ پھر بادشاہ نے
دورے پر جانا شروع کیا۔ مصریوں کو شکست دی، یروشلم کو تباہ کر کے
اتنے غلام ساتھ لے آئے کہ اب بھی بغداد میں یہودی ہیں۔ یہودی کہیں آجائیں
تو پھر واپس نہیں جاتے۔

ویسے یہ لوگ اشوریوں سے مختلف تھے اور مقابلۃً صلح پسند تھے۔
ان کی ایک کہاوت ہے — لوگ جھگڑ رہے ہوں تو کان دبا کر چپ چاپ
نکل جاؤ ورنہ گواہ بننا پڑے گا۔ اور عدالت میں جو درگت گواہ کی بنتی ہے اس
کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

بنوکد نظر نے دجلے پہ بند تعمیر کیا، نہریں کھدوائیں، جہاں اس
میں اور خوبیاں تھیں وہاں ایک عیب بھی تھا — ہر وقت وہ بابل ہی کی توسیع
کرتا رہتا ہے۔ بسے بسائے شہر کو اس نے تین مرتبہ پھر بسایا۔ نئے محل بن
رہے تھے۔ سڑکیں چوڑی کی جا رہی ہیں بلکہ پرانی سڑکوں کے اوپر نئی سڑکیں بن
رہی ہیں — آخر رعایا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا گیا اور شہر کی سطح اونچی ہوتی گئی۔

گمنامی کے ڈر سے اس نے ہر اینٹ پر اس قسم کے فقرے لکھوا دیے
کیا میرا تعمیر کردہ بابل دنیا کا عظیم ترین شہر نہیں ہے؟ میں شاہ بنو پلیسر کا بیٹا بنو کد
نظر ؔوائی بابل ہوں (یہ اینٹیں اب بھی موجود ہیں) اس پروپیگنڈے سے سیاح اور
مورخ کافی متاثر ہوئے۔ زینو فون ہو یا پھر بابائے تاریخ ہیروڈوٹس متاثر ہوا
(ہیروڈوٹس بہت جلد متاثر ہو جاتا تھا تبھی اسے بابائے جھوٹ بھی کہا جاتا
ہے لیکن فاتح کچھ اتنے متاثر نہیں ہوئے۔ طارق کسریٰ میں یہی اینٹیں لگی ہوئی
ہیں۔ عربوں نے بھی تعمیر کے سلسلے میں بنو کد کے شہر کا ملبہ استعمال کیا۔ اتنی ساری
اینٹوں پر دستخط کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ کلدانیوں کے بادشاہ کے مشکل
ناموں سے لوگ مانوس نہیں ہیں لیکن بنو کد نظر کو سب جانتے ہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ اگر آج فرعون مصر میں آئیں تو اپنے اہرام
اور مندر دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے لیکن اس دوآبے کے قدیم بادشاہ آئیں
تو انہیں مایوسی ہوگی کیوں کہ ان کی ایک نشانی بھی تو باقی نہیں رہی۔ مصر میں پتھر ہے
یہاں فقط اینٹیں تھیں وہ بھی آدھی کچی اور آدھی پکی اور ساتھ ساتھ لگاتار سیلاب
تپش اور حملہ آور ــــــ مصری الگ تھلگ رہتے تھے اس لئے خوش تھے انہیں
مذہب اور اگلی زندگی کا شروع سے خیال تھا ــــ وہ لوگ بلیوں کو بہت متبرک
مانتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حملہ آور آٹھ دس ہزار بلیاں ساتھ لے آئے جنگ
شروع ہوتے ہی بلیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا گیا تو مصریوں نے فوراً ہار

مالنال ۔)

دراصل دو آبے کی تہذیب عروج پہ پہونچ چکی تھی۔ اب زوال شروع ہو چکا تھا — تین ہزار سال پرانی نظم 'قنوطیت' سے اس انحطاط کا اندازہ لگ سکتا ہے —

آقا اور غلام آپس میں باتیں کر رہے ہیں ۔

"خادم کچھ کہوں ؟

"ارشاد! میں حضور سے متفق ہوں "

"محبت کرنے کو دل چاہتا ہے "

"ضرور کیجئے حضور، محبت دکھ درد بھلا دیتی ہے "

"نہیں خادم' میں نے ارادہ بدل دیا ہے "

"بہت اچھا کیا' محبت تو ایک پھندا ہے ایک بھیانک غار ہے ۔ اور عورت ایسی تیز تلوار ہے جو قریب آجائے تو موت یقینی ہے "

"خادم کچھ کہوں "

"ارشاد! میں حضور سے متفق ہوں "

"مقدس پانی لاؤ' وضو کر کے عبادت کروں گا "

"ضرور کیجئے حضور' عبادت سے دل صاف اور دیوتا خوش ہوتے ہیں "

"نہیں خادم' میں نے ارادہ بدل دیا ہے "

"بہت اچھا کیا، بار بار گڑگڑانے سے دیوتا اکڑنے لگتے ہیں۔
انھوں نے آپ کے لئے کیا کیا ہے جو آپ احسان مند ہیں"۔

"خادم کچھ کہوں؟"

"ارشاد! میں حضور سے متفق ہوں"

"غریبوں کو خیرات دی جائے؟"

"ضرور دیجئے حضور، اس سے کئی گنا آپ کو ملے گا"

"نہیں خادم میں نے ارادہ بدل دیا ہے"

"بہت اچھا کیا سخی کا دیوالہ کبھی نکل جائے تب بھی فقیر مطمئن نہیں ہوتے۔

قبرستان میں جاکر دیکھیے سخی اور کنجوس ایک ہی زمین میں دفن ہیں"
—— کئی موضوع آتے ہیں لیکن یہ اکتاہٹ، یہ بیزاری نہیں جاتی آخر طے ہو جاتا ہی کہ ہر شے بے معنی ہے، بیکار ہے —— تنگ آکر آقا کہتا ہے ——

"خادم کچھ کہوں؟"

"ارشاد! میں حضور سے متفق ہوں"

"اگر یہی زندگی ہے تو کیا کریں؟ خودکشی کرلیں؟؟"

"ہم مجبور بندے ہیں کسی نے دنیا کو بھی محیط کیا ہے؟ آسمان کو چھوا ہے؟؟

"تو پھر آج تمھیں مارتا ہوں بعد میں خود مرجاؤں گا۔"

"بجا فرمایا جناب، لیکن خادم اپنے آقا کو یہاں مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے کیسے چھوڑ جائے؟ کیوں نہ دونوں ساتھ چلیں؟"

کلدانیوں نے ابھی بسایا تھا، جو حضرت ابراہیم کا گاؤں تھا اور جہاں انھیں خدا تعالیٰ کی موجودگی کا خیال آیا۔ اُرسے وہ اپنے طویل سفر پہ روانہ ہوئے تھے (مغربی مورخوں نے شام اور دیگر ملکوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے لیکن عرب کے بارے میں خاموش ہیں)

اس مرتبہ جو حملہ آور آئے انھیں نئے دارالخلافے کی تلاش تھی، نہ کلدانیوں سے کوئی خاص دشمنی تھی۔ چنانچہ میڈینیوں اور اخامینز (جنھیں ہخامنشی بھی کہا جاتا تھا) بابل کے پندرہ بیس ہزار آدمی مار کر دس بارہ مندر اور پانچ چھ محل وغیرہ تباہ کرکے مطمئن ہو گئے۔ دراصل اخامینی لوگوں نے اپنی اصلی قوت اور جوش وخروش کو یونانیوں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا (جس کا بدلہ بعد میں سکندر نے لیا اور آس پاس کے ملک خواہ مخواہ گھیرے میں آگئے۔)

ملک کی حالت زیادہ بری نہیں تھی، اصلاحات کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی مگر حملہ آور جو ایران کے علاقے سے آئے تھے بابلیوں کی بہتری و بہبودی کے خواہاں تھے۔ انھیں جب کوئی نئی چیز ایجاد کرنے

کورنہ ملی تو ناچار دنیا کی پہلی 'گھوڑا ایکسپریس' شروع کی' جگہ جگہ گھوڑے بدلے جاتے' ایلچی ڈاک لے کر ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ ایک ہفتے میں طے کرتے تھے۔ (ایلچی بھی بدلے جاتے ہوں گے) ساتھ ساتھ آداب محفل' تکلفات و مقطع عبارت رائج ہوئی۔ بعد میں جب چنگیز نے ایرانی کاتب سے کسی گورنر کے نام مختصر سا حکم نامہ لکھوایا تو کاتب فوراً دوسرے صفحے تک پہونچ گیا' چنگیز کو شبہ ہوا اس نے کہا پڑھ کر سناؤ' کاتب نے بخدمت جناب' عالی مآب بلند اقبال حضور گورنر صاحب سے شروع کیا تھا' مزاج' موسم اور کنبے کا حال پوچھنے کے بعد درخواست کی تھی کہ اگر بار خاطر نہ ہو تو یہ معمولی سی گزارش ـــــــ

چنگیز آگ بگولا ہوگیا' کاتب کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا کہ لوگوں نے بتایا کہ یہاں کا رواج ہے۔ چنگیز نے آداب و القاب فوراً بند کرا دیے (جو اس کے جانے کے بعد فوراً واپس آگئے) چنگیز نے یہ بھی دیکھا کہ ہر شام لوگ شراب پی کر مدہوش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ مہینے میں تین دفعہ سے زیادہ مدہوش ہونا جرم ہے۔ بعد میں مہینے میں چار دفعہ کی اجازت ہوگئی ہر سنیچر کی شام کو۔

سکندر اعظم پہلی مرتبہ بابل آیا تو دارا کا تعاقب کر رہا تھا (یہ وہ دارا نہیں تھا جس کی فتوحات مشہور ہیں۔ کس لیے دارا مارا' والا بادشاہ دارا

سوم تھا جس کے دربار میں بے شمار خواجہ سرا تھے)

سکندر جلدی میں تھا اگرچہ پریڈ اور سفیروں سے ملاقات کے لئے اس نے وقت نکال لیا تھا) البتہ جب ہندستان سے واپس آیا تو فرصت ہی فرصت تھی۔ پہلے سے کافی بدل چکا تھا، ایرانی لباس پہنا، بات بات پر بگڑ جاتا وہمی ہوگیا تھا، جب اس کے استاد ارسطو کے پوتے کیلستھینز نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے مروا دیا۔ اس سے پہلے اپنے جگری دوست اور محسن کلائی ٹس کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر چکا تھا۔

دجلہ عبور کیا ہی تھا کہ بابل سے وفد آیا اور عرض کی کہ دیوتاؤں کا ارشاد ہے کہ آپ مغرب کی طرف نہ آئیں ___ کئی یونانیوں نے بھی پیشین گوئی کی کہ یہ سفر آخری سفر ہے۔ سکندر بابل پہونچا تو فصیل پر کوے لڑ رہے تھے ایک کوا سکندر پر گر پڑا، لوگوں نے شور مچایا کہ برا شگون ہے۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ ذرا ذرا سی بات منحوس بن جاتی ہر واقعے سے بدشگونی نکالی جاتی، ان سب نے مل کر سکندر کو یقین دلایا کہ آخری وقت قریب ہے۔ پھر بخار چڑھا۔ پہلے کئی مرتبہ بخار چڑھ چکا تھا لیکن تب اسے ایسی اوٹ پٹانگ پیشین گوئیوں پر یقین نہیں ہوا کرتا تھا۔ مرنے سے پہلے ساری فوج بستر مرگ کے قریب سے گزری آنکھوں سے ہر سپاہی کے سلام کا جواب دیا۔ پھر دیکاس نے مہر نکالی۔

شاہی مہر کسے دی جائے؟"

"جو سب سے قوی اور دلیر ہوا سے" —— مغرب کے وقت سکندر انتقال کرگیا۔ چند روز بابل والے سہمے سہمے رہے پھر اس جوانا مرگ فاتح کو بھول گئے جسے یاد کرکے سیزر اپنے گنجے سر پہ ہاتھ مار کر کہا کرتا —" میں تو کچھ نہ کرسکا —— میں تو بالکل نکما ہوں —— اس عمر میں سکندر دنیا فتح کرچکا تھا۔"

سکندر کے جانشین سیلوکس نے اٹھارہ انیس سکندریہ دیکھے تھے وہ مدت سے منتظر تھا کہ کبھی اپنا پرائیویٹ شہر بھی آباد کرے چنانچہ بابل کو خیرباد کہہ کر دجلہ کے کنارے اپنا سلوکیا بسایا۔ یہ شہر زیادہ دیر نہیں رہا۔ دراصل سکندر کی عظمت سے سیلوکس کا تحت الشعور بالکل تباہ ہو چکا تھا۔

یونانیوں نے دجلہ عبور کیا تھا' یہ ناممکن تھا کہ رومن پیچھے رہ جاتے۔ اس کے علاوہ اپنی تہذیب و تمدن کے نشر و اشاعت کے سلسلے میں دوسرے ملکوں پر حملہ کرنا رومنوں کی پرانی عادت تھی (یہ ان کی انتہائی شرافت تھی ورنہ مفلس اور ان پڑھ قوموں کو کون پوچھتا ہے) مجبوراً انھیں دجلہ و فرات کی وادی میں آنا پڑا۔

کہتے ہیں کہ رومن شہنشاہ تراجن کو سکندر ثانی کہلانے کا بڑا شوق

تھا (یوسف ثانی بننے کی خواہش نے بھی بہتیروں کو پریشان کیا ہے) تراجن اسی راستے سے آیا جس راستے سے سکندر آیا تھا بالکل اسی اسٹائل سے لڑتا لڑتا دوآبے میں داخل ہوا، وہاں سے اسے یاد آیا کہ سکندر ثانی بننے کے لئے ہندوستان پر حملہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔ بیماریوں اور گرمیوں سے فوج کی بری حالت تھی لیکن تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

آخر وہی تراجن جس نے ڈینیوب کے کنارے چٹانوں پر یہ لکھوایا تھا ـــــ "اس کٹھن علاقے کے سرکش اور جنگجو قبیلوں کو شہنشاہ تراجن نے اپنی تلوار سے زیر کیا" ـــــ خلیج فارس کے ساحل پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا (ڈینیوب کے سرسبز و شاداب علاقے اور دجلہ و فرات کے صحرا میں کافی فرق ہے) واپسی پر اسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ پہلا رومن بادشاہ ہے جو اس علاقے میں تہذیب پھیلانے گیا تھا۔

ساسانی اپنے عروج کے لئے کافی عرصے سے منتظر بیٹھے تھے، دجلہ کے کنارے خسرو اعظم سفیروں کو اکٹھا کر کے اپنے محل طاق کسریٰ میں موجود اور گزشتہ عظمت کے قصے سناتا (سفیروں نے یہ کہانیاں اتنی مرتبہ سنیں کہ انھیں یقین سا ہوگیا کہ سچی ہیں) طاقِ کسریٰ کی محراب اتنی اونچی تھی کہ آج تک اسے دنیا کی بلند ترین محراب سمجھا جاتا ہے۔ ساسانی بادشاہ سردیاں یہاں گزارتے اور گرمیاں ایران کے پہاڑوں میں۔ جب بادشاہ موسم کے الٹ پھیر

جب دار الخلافے بدلنے لگیں تو ضرور کچھ ہو کر رہتا ہے ــــــ چنانچہ عرب آ گئے۔

خالد بن ولید نے تیرہ مہینوں میں پندرہ جنگیں لڑیں اور ہر مرتبہ فتح پائی۔
کچھ ساسانیوں کی خود اعتمادی اور منصوبے بندی انھیں لے ڈوبی ــــــ ہرمز خالد سے لڑنے آیا تو بے شمار زنجیریں ساتھ لایا تھا تا کہ عرب قیدیوں کو گرفتار کرنے میں آسانی رہے، دجلے کے کنارے ابلہ کے مقام پر نہ صرف شکست ہوئی بلکہ انھیں زنجیروں سے ساسانی باندھے گئے۔

(جنگ قادسیہ میں ساسانیوں کا کمانڈر مشہور پہلوان رستم تھا۔ سب جانتے ہیں کہ پہلوانی اور چیز ہے اور جنگ اور چیز)

دلیری کا زمانہ تھا اصلی جنگ سے پہلے سنگلز ہوا کرتے، کوئی سورما نکل کر مخالف لشکر کو للکارتا ــــــ ہل مبارز منکم (کوئی ہے جو سامنے آئے؟) دونوں فوجوں کے سامنے مقابلہ ہوتا۔ یورپ نے نقل شروع کی تو ڈوئل رائج ہوئی (لیکن بعد میں جرمنی کے اخباروں میں ایسے اشتہار نکلنے لگے۔ بہادرو! چہرے پہ ڈوئل کے نشان لگوانا چاہتے ہو۔ فلاں جراح کی خدمات حاضر ہیں)

بادشاہ لڑتا تو اگلی صف میں ہوتا تا کہ سپاہیوں کے حوصلے بلند رہیں (بعد میں بادشاہ محض اس خیال سے دور رہنے لگے کہ کہیں ان کی موت پر لشکر بددل ہو کر بھاگ نہ نکلے) عرب جلدی میں تھے، دوآبے کو عراق عرب

اور عراق عجم کہہ کر بصرے اور کوفے میں چھاؤنیاں بنا کر شمال کی طرف نکل گئے۔ آرمینیا اور کاکیشیا میں سپاہیوں نے پہلی مرتبہ سنہرے اور سرخ بالوں والی لڑکیاں دیکھیں (بعد میں کاکیشیا کے پہاڑ کوہ قاف اور یہ لڑکیاں کوہ قاف کی پریاں مشہور ہیں۔"

"عربوں کی سلطنت پھیلتی گئی اور پرانی رومن سلطنت سے بڑی ہو گئی۔ عرب خانہ بدوش تھے اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا خیمہ ان کے نزدیک بہترین عمارت تھی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وہ اپنے خیموں کے لئے عمارتوں کے شہتیر کھینچ لیا کرتے تھے۔ ابن خلدون نے بڑی کام کی باتیں لکھی ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ آرٹ کبھی تخلیق نہیں ہوتا۔ جب تک کہ آرٹسٹ نہ ہوں اور یہ کہ قوم بننے میں تین پشتوں کا عرصہ یعنی تقریباً ایک سو بیس برس لگتے ہیں۔ فتوحات کھلی ہوا کے رہنے والوں کو شہروں اور قصبوں میں لے آئیں تو وہ پریشان ہوئے (یہ پریشانی بجا تھی آبادیوں میں کاشت کاری ہوتی تھی۔ پانی کی وجہ سے مچھر بہت تھے جن سے بخار چڑھتا تھا)

خلفائے بنو امیہ دمشق میں رہے لیکن صحرا اور نخلستانوں کی محبت دل سے نہ گئی۔ شکار یا دورے کے بہانے صحرا میں نکل جاتے' ان کے صحرائی محلوں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں لیکن عباسیوں نے بغداد بسا کر شہری سکونت اختیار کی۔ آہستہ آہستہ طرز تعمیر' بود و باش ہر چیز پر ساسانی رنگ آیا

دیوان عام کی جگہ دیوان خاص نے لے لی، افردوں سے ملنے کے لئے پہلے درخواست دینی پڑتی تھی اور ان کے سامنے درباری آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔

بغداد بین اقوامی شہر بن گیا، ہارون الرشید نے شارلیمین کو ایک کلاک اور ہاتھی بھجوایا (مورخ کہتے ہیں کہ ہاتھی نے سنہ ۸۱۰ء میں جرمنی میں انتقال کیا۔ شارلیمین کا انتقال بعد میں ہوا)

نہر سویز کا خیال سب سے پہلے ہارون الرشید کو سوجھا تھا، موجودہ نہر کی کھدائی سے ہزار سال پہلے اس نے علاقے کی پیمائش کرائی تھی۔ ہارون نے بازنطینیوں سے لڑائیاں لڑیں۔ بازنطینی ہر بار صلح کر لیتے اور عرب فوج کے واپس بغداد پہنچنے سے پہلے صلح نامہ منسوخ کر کے پرانی حرکتوں پہ اتر آتے۔ (شاید اس لئے کہ یہ فاصلہ کئی مہینوں کا تھا)

ایرانی سول عہدوں پر تھے، عراقی یا تجار تھے یا طالب علم، اس لئے خلیفہ معتصم نے غیر ملکیوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا اس نئی فوج کے لئے جو مملوکوں اور وسط ایشیا کے قبائلیوں پر مشتمل تھی۔ ساٹھ میل اوپر دجلے کے کنارے سامرہ آباد کیا گیا جو دارالخلافہ بن گیا۔ مورخوں کا کہنا ہے کہ سامرہ کے ساتھ ہی خلافت کا زوال شروع ہو گیا۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو لیکن آج تک جتنی سلطنتیں قائم ہوئی ہیں۔ دو تین سو برس سے زیادہ نہیں رہیں۔

شاید قدرت نے یہی عمر مقرر کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اقتدار کم ہوتا چلا جاتا ہے، بہانے سینکڑوں بن جاتے ہیں، باہمی خانہ جنگی، کسی نئی قوم کا عروج، بعض اوقات کوئی بھی وجہ نہیں ہوتی۔ سلطنت روما کے زوال پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن اب تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ دراصل کیا ہوا تھا۔

تیرھویں صدی کے وسط میں ہلاکو نے بغداد کی بیس لاکھ آبادی میں سے سولہ لاکھ کو قتل کیا، دریا چلتے رہے نہریں بہتی رہیں لیکن ہل چلانے والا کوئی نہ تھا، زمین دوبارہ بنجر ہو گئی (بیسویں صدی کے شروع میں سر ولیم ولکاکس نے حکومت ترکیہ کو رپورٹ بھیجا۔ عراق میں نئی نہریں کھودنے کے بجائے اٹی ہوئی قدیم نہروں کو درست کرایا جائے) تین سال تک کوئی خلیفہ نہ تھا (آخر خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل کی گئی اور وہاں سے قسطنطنیہ اور پھر خلافت ختم ہو گئی) خلافت بغداد کو تباہ کر کے ہلاکو کی اولاد پچاس سال کے اندر اندر مسلمان ہو گئی۔

اس کے بعد ایرانی آئے جو کئی سو برس رہے۔ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے بصرے میں دفتر کھول لیا پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو عربوں کو لڑتے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ ترکوں کے خلاف لڑے۔ جب جنرل ایلنبی دمشق میں داخل ہوئے تو خوش فہم باشندوں نے آل نبی! آل نبی! کے نعرے لگائے۔ پہلی اور دوسری عظیم جنگوں کے درمیانی وقفے کے حالات ذرا پیچیدہ ہیں، انھیں یا تو سیاست داں سمجھتے ہیں یا اخبار نویس۔

بغداد کا شہر دجلے کے ساتھ ساتھ یوں چلا گیا ہے کہ اس کے
عرض و طول میں ایک اور تیرہ کی نسبت ہے فقط شمالی حصے میں قدیم بغداد
کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ورنہ بالکل بغداد الجدید بن چکا ہے ـــــــ پرانی
عظمت کی نشانیاں گنی گنائی رہ گئی ہیں، گودی مینارہ، منہدم محل یا وہ زمین دوز
لائبریری جس میں ہلاکو نے دریا کا پانی چھوڑ دیا تھا۔

جغرافیہ دان یعقوبی نے لکھا ہے کہ دوران سفر میں خلیفہ منصور ایک
گاؤں کے پاس رکا اور اپنے ہمراہیوں سے کہنے لگا ـــــــ "یہ گاؤں بہت
بڑی تجارتی منڈی بن سکتا ہے۔ دجلے کے ذریعے آرمینیا اور آذر بائیجان سے
سامان آئے گا اور فرات کے ذریعے شام، مصر اور شمالی افریقہ سے ـــــ ہند

اور چین کے جہاز یہاں لنگر انداز ہوں گے، اصفہانی اور خراسانی تجار سڑکوں سے پہونچیں گے، خدا کا شکر ہے کہ ایسے شہر کو آباد کرنا میرے سپرد ہوا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کتنے یہاں سے گزرے اور کسی کو خیال تک نہ ہوا ۔"

منصور نے دجلے کے مغربی کنارے پر مدینۃ السلام کی بنیاد رکھی، شہر آباد ہوا تو لوگ اسے منصوریہ کہنے لگے (منصور کا شہر تھا تو دجلے پر لیکن فرات سے آتا تھا) پبلک نے فوراً سٹلائٹ ٹاؤن اور ماڈل ٹاؤن بنائے مشرقی کنارے پر مہدیہ آباد ہوا پھر رصافہ ـــــ دیکھتے دیکھتے منصور کا اصلی شہر بالکل کھو گیا۔ لفظ بغداد کو کچھ لوگ نوشیرواں کے پرانے شہر باغ داد سے ملاتے ہیں کچھ کہتے ہیں کہ یہاں بابل کے دقتوں کا گاؤں بغدادہ آباد تھا۔

جب معتصم نے ڈھائی لاکھ سپاہیوں کے لئے سامرہ بسایا تو بغداد کی اہمیت کم ہوگئی۔ جدید وضع کے سامرہ میں پونے تین سو گز لمبی، پونے دو سو گز چوڑی مسجد تعمیر کی گئی (جسے دنیا کی سب سے بڑی مسجد کہا جاتا ہے) لیکن پھر متوکل نے شمالی سمت میں ایک نیا دارالخلافہ المجعفریہ تعمیر کر لیا تو سامرہ سنسان ہو گیا۔ پھر سب جعفریہ سے سامرہ آگئے اور وہاں سے واپس بغداد۔

معتصم کے زمانے میں ہندستان سے سترہ ہزار جاٹ بغیر بلائے یا اطلاع دیئے آگئے تھے ـــــ عرب انھیں الزط کہا کرتے تھے۔ جب انھوں نے مار دھاڑ شروع کی تو پکڑ کر سلیشیا کی سرحد پر بھیج دیا گیا ـــــ کہا جاتا ہے کہ

اس علاقے کے خانہ بدوش انہی الزط حضرات کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!)

بغداد نے بڑی ترقی کی، عرب ملاح دور دور نکل گئے (ان دنوں بھی روس، سویڈن اور جرمنی میں قدیم سکے ملتے ہیں۔

یونیورسٹیاں اور دارالحکماء قائم ہوئے۔ یونانی علماء کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ بغداد علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ اس عہد زریں کے علماء اور ماہرین کے نام تاریخ کی دھند میں ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ بیسویں صدی میں سارٹن نے اپنی "تاریخ سائنس" میں الفارابی کو دنیا کا سب سے بڑا فلسفی ابو کامل (جنھوں نے الخوارزمی کے الجبرے کی تکمیل کی) اور ابراہیم بن سنان کو سب سے بڑے ریاضی دان المسعودی کو عظیم ترین جغرافیہ دان اور طبری کو سب سے ممتاز مؤرخ قرار دیا ہے۔ یورپ کی یونیورسٹیوں میں سترھویں صدی تک بوعلی سینا اور رازی کی کتابیں پڑھائی گئیں۔ بوعلی سینا کی کتاب 'القانون فی الطب' کو ڈاکٹر اوسلر نے طبی انجیل کا درجہ دیا ہے۔ اس زمانے کے جینئس بڑے عظیم انسان ہوتے تھے بیک وقت سائنس دان، مہندس فلسفی بھی ہوتے تھے، شاعری موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ پر بھی عبور ہوتا تھا۔ آج کل کے انٹلکچول حضرات کی طرح نہیں کہ دس بارہ کتابیں پڑھ کر عینک لگائی، بال بڑھائے اور ٹیڑھے میڑھے ہو کر ہر چیز کی مخالفت شروع کردی) بغداد کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ یہاں سے حکم نامے جاری ہوتے تھے۔ خطابات عطا ہوتے تھے۔ شمس الدین التمش نے

ہندستان سے اپنا نمایندہ بغداد بھیجا اور حکومت کرنے کی اجازت مانگی،
جب خلیفے نے سیاہ عبا، انگوٹھی اور عصا بھیجے تب سلطان بنا۔ سلجوقوں نے
خراساں کو فتح کرلیا تو خلیفہ نے مبارک باد بھیجی اور یمین الدولہ، امین الملت
کے خطابات عطا فرمائے بعد میں طغرل بیگ کو ملک المشرق و مغرب، کا اعزاز دیا۔
سلطان کا خطاب بھی خلیفہ دیا کرتا (لیکن بعد میں لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اعزازات
وخطابات محض مغربی قوموں کے ایجاد کردہ ہیں)

کئی سیاح بغداد سے گزرے۔ بارھویں صدی میں ابن جبیر آیا تو
اسے گرد ونواح میں جگہ جگہ نہریں اور پل ملے لیکن بغداد اجڑا اجڑا سا معلوم
ہوا، باشندے مغرور اور خشک سے لگے لیکن بغداد کے حسن سے متاثر ہوا۔
یہاں حُسن کی وہ فراوانی ہے کہ خوف خدا نہ ہو تو انسان فوراً غلط راستے پر
پڑسکتا ہے (ابن جبیر)۔

مارکوپولو نے موصل کے تاجروں کو موسلینی لکھا ہے (اطالوی بعد کی
چیز ہے) بغداد کو بوداز بصرے کو بصرہ اور ہلاکو کو الاؤ، مارکوپولو نے جو الاؤ
کے حملے اور بوداز کی تباہی کی داستان لکھا ہے وہ آج کل کے تاریخی ناولوں
کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

الاؤ نے جب بوداز میں ایک اونچا مینار دیکھا جو سونے سے بھرا
ہوا تھا تو خلیفے سے گویا ہوا ــــ "افسوس! کہ آپ نے لالچ کیا اتنے سونے سے

تو آپ ایک زبردست فوج رکھ سکتے تھے۔ اب میں آپ کو اسی مینار میں بند کردوں گا۔ تاکہ سونا دیکھتے دیکھتے آپ کا انتقال ہوجائے ـــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(مارکوپولو)

اس نے ایک معجزے کا ذکر بھی کیا ہے۔

یہ آخری خلیفہ طرح طرح کے بہانوں سے عیسائی رعایا پر ظلم توڑتا، جب معقول بہانے ختم ہوچکے تو اپنے علما کو بلا کر نئے بہانے تلاش کرنے کا حکم دیا، انھوں نے عیسائیوں کی مقدس کتاب سے یہ فقرہ نکالا ـــــ "اگر تمھارا ایمان رائی کے دانہ کے برابر بھی ہے تو پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا سکتے ہو" خلیفہ نے عیسائیوں کو اکٹھا کرکے حکم دیا کہ یا تو مذہب ترک کردو۔ یا دسویں روز اس پہاڑ کو ہٹا کر دکھاؤ (بغداد کے آس پاس چھوٹی سی پہاڑی تک نہیں ہے) عیسائی بہت گھبرائے آخر امید کی کرن نظر آئی اور وہ سیدھے ایک موچی کے پاس گئے جو کانا تھا، اور زہد و تقوٰی کے سلسلے میں آنکھ گنوا بیٹھا تھا اس نے عبادت کی اور وقت مقررہ پر ہجوم کے سامنے دعا مانگی، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا (تب ہی بغداد میں پہاڑ نہیں رہے) یہ معجزہ، دیکھ کر لاتعداد مسلمان عیسائی ہوگئے، پوشیدہ طور پر خلیفہ بھی عیسائی ہوگیا کیوں کہ جب اس کا انتقال ہوا تو پوشاک اتارتے وقت گلے میں لٹکی ہوئی صلیب ملی ـــــ مارکوپولو نے یہ دو وقائع نویسی، تیرھویں صدی میں کی تھی (اور اس کے باوجود

مغرب میں ابن بطوطہ کے سفرنامے کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے) ابن بطوطہ چودھویں صدی کے شروع میں آیا، پہلے بصرہ پہونچا پھر خلیج فارس کے ساحل پر! بغداد کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ بصرے والی سڑک سے دوبارہ گزرنا ہوگا۔ "جس راستے سے ایک دفعہ نکل جاؤں اس سے دوبارہ نہیں گزرتا ———— (ابن بطوطہ) لہذا مجبوراً ایران کی طرف سے سینکڑوں میل کا فالتو چکر لگا کر بغداد پہونچا، وہاں جا کر دیکھا کہ قدیم عمارات منہدم ہو چکی ہیں اور لوگوں نے غلط عربی بولنی شروع کر دی ہے۔ یہ بھی نوٹ کیا کہ تاتاری اور ترک حکمراں فرمان جاری کرتے ہیں تو اس طرح شروع کرتے ہیں ———— سلطان فلاں اور خاتونوں (بیویوں) کے حکم سے جاری ہوا۔' (جیسا کہ دورِ جدید میں ہوتا ہے)۔

ابن بطوطہ جیسا سیاح آج تک پیدا نہیں ہوا۔ ایک دن گھر سے سیر کرنے نکلا تو چوبیس سال تک سیر کرتا رہا، مشرق وسطیٰ ہندستان لنکا، چین، قسطنطنیہ، وسط ایشیا دیکھ کر واپس گھر پہونچا تو یاد آیا کہ اسپین اور افریقہ کے اندرونی حصے رہ گئے ہیں، چھ برس کے لئے پھر نکل گیا۔

بغداد میں ان دنوں دو سلطان دورے پر آئے ہوئے تھے ——
ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بغداد کا اتنا ذکر نہیں کیا جتنا سلاطین اور

ان کے لڑائی جھگڑوں کا۔ ایک دن وہ سلطان ابو سعید (جس کی بیوی کا
نام بغداد خاتون تھا) کے محلے کے ساتھ محل کھڑا ہوا۔ (محلہ چلتے پھرتے
کیمپ کو کہا جاتا تھا) سیاحت کے دوران میں اس نے لیکچر دیئے۔ ملازمتیں
کیں، بادشاہوں کا سفیر بنا، شادیاں کیں، لیکن جہاں اسے کوئی قافلہ نظر آجاتا
عہدہ، رتبہ، دولت ـــــ سب چھوڑ چھاڑ کر ساتھ ہو لیتا۔

میں اور دو مقامی حضرات واپس کیمپ آرہے تھے۔ یکایک انھوں
نے گھبرا کر نعرہ لگایا ـــــ "ہم سب خطرے میں ہیں بڑی مصیبت آنے
والی ہے۔" اور دوڑ کر ٹیلے کے پیچھے چھپ گئے، چاروں طرف دیکھا کچھ بھی
نظر نہ آیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ کسی اونچی جگہ سے دیکھتے ہیں۔ "مت
جاؤ خطرہ ہے۔" وہ دونوں چلائے۔ ایک جگہ سے ساری وادی سامنے
آگئی۔ سامنے کچھ درخت اور خیمے تھے، ایک طرف سے غبار سا اٹھا ـــ
نعروں کی آوازیں آئیں اور گولیاں چلنے لگیں، پھر ریت کے بادلوں میں سب
کچھ چھپ گیا۔ چند شہسوار بندوقیں سنبھالے تیزی سے ایک طرف نکل
گئے۔ اور غدر سا مچ گیا۔ پھر اونٹ اور شہسوار دوسری طرف جاتے
نظر آئے۔ چند گولیاں چلیں اور شہسوار دوسری طرف جاتے نظر آئے
چند گولیاں چلیں اور شہسوار اور بکریاں دکھائی دیں۔ کبھی اونٹ اور
آدمی سامنے آجاتے، کبھی بکریاں اور آدمی تو کبھی اونٹ اور آدمی سامنے

آجاتے، کبھی بھیڑیں اور آدمی تو کبھی اونٹ اور بھیڑیں ـــــــ ساتھ ساتھ نعرے اور گولیاں ـــــــ پھر یہ سب آپس میں خلط ملط ہو گئے جب گرد صاف ہوئی تو ایک طرف اونٹ کھڑے تھے دوسری طرف بھیڑیں اور آدمی گھوڑوں کو تھپتھپا رہے تھے، نہ کوئی زخمی نظر آیا نہ کسی کا انتقال ہوا تھا۔

واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو سنبھالا جو ابھی تک تھر تھر کانپ رہے تھے ــ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جان بچ گئی ـــ ابھی دو قبیلوں میں لڑائی ہوئی تھی۔

کیمپ پہونچ کر یہ واقعہ منصور کو سنایا، وہ حقارت سے بولا ــ "شہری ہوں گے" ان لوگوں کو لڑنا بھی نہیں آتا۔ کبھی پہاڑ والوں کی لڑائی دکھائیں گے ـــ تم یقیناً خوش ہو گے"

شام کو منصور بھی ہمارے ساتھ بغداد گیا کیوں کہ آج خاص پروگرام تھا! پبلک کے پر زور اصرار پر عفیفہ مجید اپنے مشہور نغمے سنانے والی تھی۔ وہ مائیکروفون کے سامنے آئی تو خوب تالیاں بجیں لیکن اس کے باوجود جو کچھ ہوا اس میں گانا کم تھا۔ مٹکنا تھرکنا زیادہ ــ عفیفہ مجید کی صحت ماشاء اللہ بہت اچھی تھی اور لباس ضرورت سے زیادہ چست بازو تھر کتے گردن ہلتی، کمر مٹکتی سارا جسم بل کھا رہا تھا ـــ کبھی کبھی

چھوٹا سا مصرعہ زبان پر آنا ——— " کیا جذبات ہیں ! کیا اظہار ہے !!
واللہ ——— " ہر جبیں جھوم جاتا۔

اتنے میں دو شیخ اونٹوں سے اترے گانی والی کو کچھ دیر غور سے
دیکھا ہاتھ ملا کر نعرہ لگایا اونٹوں پر سوار ہو گئے۔

" انھوں نے کیا کہا تھا ؟" روز نے پوچھا۔

" اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ الحمد للہ عفیفہ مجید ابھی تک
فربہ ہے "۔

" ضرور دیہاتی ہوں گے ——— " ایک طرف سے آواز آئی۔
پیچھے مڑ کر دیکھا سلیم چند خونخوار سے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ———
علیک سلیک کے بعد وہ سب ہماری پارٹی میں شریک ہو گئے ۔ " اس پہاڑی
کا قصہ تو سنا ہو گا جو عبادت کر رہا تھا کہ کوئی مسافر نظر آ گیا ' اس نے
فوراً بندوق سنبھالی ' عبادت ملتوی کی اور مسافر کو لوٹ لیا ۔ کوئی مہذب
شخص دیکھ رہا تھا اس نے برا بھلا کہا تو پہاڑی خفا ہو کر بولا ———
" یہ دین کا کام ہے وہ دنیا کا ——— دونوں ساتھ چلتے
ہیں ——— "

سلیم کے دوستوں نے قہقہہ لگایا۔

" جی ہاں یہ قصہ میں نے سنا ہے " منصور نے جواب دیا۔ اور

شہروں میں بقتل، قاتلوں، مقتول کی گردان بھی سنی ہے۔ ایک شہری کسی پہاڑی کو چائے خانے میں لے گیا اور اپنے دشمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہے جو چار دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہے ـــــ پہاڑی نے وضاحت چاہی تو شہری نے بتایا کہ دشمن کی مونچھیں سیاہ ہیں اور وہ جو موٹا اور گنجا ہے ـــــ لیکن وہ پانچوں موٹے اور گنجے تھے ـــــ آخر دیہاتی کو دشمن دکھانے کے لئے شہری نے پستول نکالا، ڈز ڈز کی آوازیں آئیں چشم زدن میں چار آدمی مرے پڑے تھے ـــــ وہ جو رہ گیا ہے وہ میرا دشمن ہے ـــــ اب سمجھے" اب قہقہہ لگانے کی باری تھی۔ لیکن کچھ بدمزگی سی پیدا ہو گئی۔ عفیفہ مجید کا گانا ختم ہو چکا تھا، آرکسٹرا بج رہا تھا اور لوگ رقص کر رہے تھے۔ منصور اور سعدہ کو وہیں چھوڑ کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔

روڈنر تین لڑکیاں لئے چلا آ رہا تھا، ان میں لوئی زا بھی تھی۔

"یہ کیا ـــــ ؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"دو سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں"۔

جرجیس لپک کر آگے بڑھا لیکن روڈنر نے جلدی سے لوئی زا کا ہاتھ پکڑا اور رقص کرنے چلا گیا۔

"جس لڑکی کو دیکھو کسی یورپین پر فریفتہ ہے ـــــ" جرجیس

نے جھلّا کر کہا۔

"اتنی دیر کسی اور کے ساتھ ناچ لو" میں نے مشورہ دیا۔

وہ غم غلط کر کے آیا تو لوئی زا پر برس پڑا ——— "یہ کیا حرکت تھی؟"

"حرکت ورکت کچھ نہیں تھی ——— ناچنا ہے تو ناچو ورنہ راستہ لو ——"

جرمین یکلخت خوش ہو گیا ——— جانتی ہو میں ہر وقت تمہیں یاد کرتا رہتا ہوں ——— قاسم بھی یہی کہتا ہے ——؟

"لیکن میں قاسم سے کہیں پہلے اٹھتا ہوں اور آدھی رات تک جاگتا رہتا ہوں ——— قاسم کون ہے؟"

"یہ دیکھو ———" اس نے ہاتھ سامنے کر دیا۔ ایک انگلی میں انگوٹھی چمک رہی تھی۔

"انگوٹھی تو غلط انگلی میں ہے ———" لوئیزا نے کہا۔

"منگنی بھی تو غلط آدمی سے ہوئی ہے —— لیکن اگر یہی بات تھی تو تم نے مجھے غلط امیدیں کیوں دلائیں؟ اتنے دن میرے ساتھ کیوں پھرا کیں؟"

"میں قاسم کی محبت آزما رہی تھی ——"

"اس وقت تم دو انسانوں کو بے وقوف بنا رہی ہو، اور ان میں سے ایک تم خود ہو ——" اُن کی تُوتُو میں میں شروع ہو گئی۔

منصور ابھی تک بحث میں مشغول تھا۔ سعدہ بھی وہیں بیٹھی تھی۔ منصور کہہ رہا تھا —— "ہمارے یہاں پنچایتیں منٹوں میں فیصلے کر دیتی ہیں۔ تمہاری خفیہ پولیس کی طرح نہیں کہ دو سال ایک مقدمے کی تفتیش کرتے رہے اور آخر میں لکھ دیا —— پوری تحقیقات کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے ——"

سلیم کا ایک خونخوار سا دوست بولا —— "تمہارے امن و انصاف کی کیا بات ہے۔ کسی پہاڑی نے اپنے ہمسایوں کی رحم دلی اور ایمانداری کی تعریفیں کیں۔ جب پوچھا گیا کہ ہاتھ میں بندوق لئے کیوں پھرتے ہو تو بولا —— "ہمسایوں کو رحم دل اور ایمان دار رکھنے کے لئے ——"

موسیقی شروع ہو گئی، ہم نے لوکی نا سے درخواست کی کہ جرجیس کو منالے۔ وہ اسی وقت خوش ہو گیا۔

"تم جو محبت محبت کرتے رہتے ہو، بتاؤ مجھے کتنا چاہتے ہو؟"

"بہت زیادہ —— اتنا کسی نے کسی کو نہ چاہا ہو گا ——"

"میرے لئے جان دو گے؟"

"میری محبت غیر فانی ہے ——"

روزر آیا اور لوی زا کو رقص کے لئے لے گیا۔

"دیکھا تم نے؟ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ تم میں مشرقیت نام تک کو نہیں —" اب وہ مجھ پر خفا ہونے لگا۔

"انگریزی انگریزوں کی طرح بولتے ہو ایک لفظ سمجھ میں نہیں آتا۔ چائے انگریزوں کی طرح پیتے ہو، چھوٹے سے پیالے سے آدھ گھنٹے کھیلتے رہتے ہیں ناچتے بھی انہی کی طرح ہو رقص نہ ہوا پریڈ ہوگئی اور تمہارا نظریہ حیات بھی انہی سے ملتا ہے —"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ روزر ہر بار اسے چھین لے جاتا ہے اور تم کچھ نہیں کہتے —"

"جرجیس! تمہارے نام سے نسوانیت ٹپکتی ہے اور ویسے بھی تم میں مردوں والی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہمارے یہاں جرجیس لڑکیوں کا نام ہوتا ہے —"

"مگر لوی زا —"

"مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اس لڑکی کے متعلق طرح طرح کی افواہیں مشہور رہیں۔ جن میں سے چند تو بالکل غلط ہیں —"

"سعدہ نے کہا ہوگا —" وہ سعدہ کی طرف لپکا۔

لیکن وہ بحث بدستور جاری تھی۔

"دو دریاؤں کا یہ ملک لاجواب ہے ــــ"

"ہر ملک میں دو قسم کے باشندے ہوتے ہیں۔ دیہاتی اور شہری" منصور بولا۔ "دراصل دو مختلف قومیں ایک جگہ رہتی ہیں۔

"آپ بھی تو کچھ کہیے، ہند کا کیا حال ہے؟" سلیم کے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا۔

"ہند میں کئی صوبے ہیں اور ہر صوبے میں کم از کم چار پانچ دریا ہیں جو آپ کے دو دریاؤں سے کہیں چوڑے اور تیز ہیں۔"

"لیکن آپ کے یہاں نہ دجلہ ہے نہ فرات۔"

"انھیں یہ بھی بتاؤ" منصور بولا "کہ وہاں جب لوگوں کو جوش آتا ہے تو جلوس نکالتے ہیں پھر کھلے میدان میں تقریریں ہوتی ہیں۔ نعرے لگا کر اور پیدل چل کر اتنے تھک جاتے ہیں کہ گھروں میں جا کر سو رہتے ہیں۔ یہاں کے شہروں کی طرح نہیں کہ جب کچھ ہونا ہو تو پہلے سناٹا سا چھا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو عجیب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر دفعتاً کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے ہیں کہ مدتوں پچھتاتے رہتے ہیں ــــ"

سعدہ گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی ــــ اور سب کھانے

کے لئے دوسرے کمرے میں چلے گئے ۔ دور کونے میں جرجبیں غم غلط کر رہا تھا ـــــ "سودہ سے باتیں ہوئیں ؟" اس نے پوچھا، میں نے بتایا کہ اب تک مباحثہ ہوتا رہا ہے۔

"شام کو مجھے ملی تھی ـــــ اس نے میرا حال پوچھا میں نے بتایا، پھر تمھارا پوچھا تو میں نے اپنا حال بتایا۔"

"جرجبیں سب دوستوں کی یہی خواہش ہے کہ لوی زا سے تمھاری شادی ہو جائے وہ تمھارے دکھ درد میں شریک ہو، ہاں پیار میں ہمت بندھائے، تمھارا غم ہلکا کرے۔"

لیکن مجھے تو کوئی غم نہیں ـــــ" وہ چونک کر بولا۔

"شادی کے بعد کا ذکر کر رہا ہوں۔"

"پھر سودہ سے ملاقات نہیں ہوئی ـــــ؟"

"نہیں"

"چلتے وقت لوی زا نے ایک کاپی نکالی ـــــ" اس پر کچھ لکھ دیکھئے ـــــ"

میں نے ورق الٹے طرح طرح کی زبانوں میں عجیب عجیب فقرے لکھے ہوئے تھے۔ ایک صفحے پر "ایمان داری بہترین شے ہے" تھا تو دوسرے پر "ہائے لوی زا" درج تھا۔ کاپی واپس کی تو حیران ہو گیا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے ہجوم سے چڑ ہے۔"

"اچھا ہم کسی اور ہندی سے لکھوالیں گے" وہ اٹھلاتی ہوئی چل دی ——

جرجیس بھاگا بھاگا آیا —— "یہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"کچھ نہیں۔"

"تو گویا سدرہ سے باتیں نہیں ہو سکیں ——" جرجیس تقریباً آؤٹ ہو چکا تھا۔

لاری کیمپ کی طرف جا رہی تھی۔ موہن اور ہیما باتیں کر رہے تھے۔ "خاں صاحب —— ایک مشورہ دوں۔ یہ لوگ یہاں رہتے ہیں یہیں رہیں گے۔ ہم پردیسیوں کو محبت نفرت کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ آپ ناتجربہ کار ہیں، میں کافی اونچ نیچ دیکھ چکا ہوں جہاں ایک انسان سے محبت ہوتی ہے وہاں دس بارہ سے خواہ مخواہ نفرت کرنی پڑتی ہے اور نفرت بے حد ذلیل چیز ہے مہینوں برسوں نفرت کئے جاؤ دشمن کے سر میں درد تک نہیں ہوتا الٹا اپنے سر میں ہو جاتا ہے۔"

اگلے دن ہم اپنے خیمے میں تاش کھیل رہے تھے باہر ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ خیمے کا پردہ اٹھا اور جرجیس جھانکنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں تصویروں کا پلندہ تھا —— چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور آنکھوں

میں خمار ــــــــ

"اس تصویر میں ہم چاروں ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے مسکرا رہے ہیں ــــــ لیکن یہ تصویر کیمپ میں لی گئی تھی، بغداد میں اتاری جاتی تو ایک دوسرے کی کمر میں خنجر بھونکتے ہوئے نظر آتے ـــ"

"کیا ہوا؟" سب حیران رہ گئے۔

میں بغداد سے آرہا ہوں، جو جو باتیں سنی ہیں تم سب سے نفرت ہو گئی ہے ـــ"

"کس سے سنیں؟"

"لڑکیوں سے" وہ چلا کر بولا۔

اسے بہتیرا چپ کرانے کی کوشش کی لیکن واہی تباہی بکے گیا۔ آخر مجھے غصہ آگیا، میں نے وہ تصویریں باہر پھینک دیں۔ اس نے ہر ایک کو باری باری گھورا اور فوراً باہر نکل گیا۔ میں نے پردے سے جھانک کر دیکھا، وہ جھکا ہوا تصویریں اکٹھی کر رہا تھا ــــــ ایک ایک تصویر کو اٹھا کر رومال سے پونچھتا اور جیب میں رکھ لیتا۔ مجھے بڑا ترس آیا لیکن سب خاموش تھے میں نے بھی کچھ نہ کہا۔ جب جبتی سے بول چال ختم ہو گئی، اسے دیکھ کر راستہ کترا جاتے ــــــ پہلا دن گزرا، پھر دوسرا، تیسرا، چوتھا، روز وہ خیمے میں آیا۔ ہمیں سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

"تین دن میں یہی سوچتا رہا کہ دوستوں کو میری کمی محسوس ہوگی مجھے منالیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا اب معافی مانگنے آیا ہوں —"

شاید اس واقعے کی اطلاع برٹن تک پہونچ گئی، سنیچر کی شام کو جب ہم بغداد کے دجلے کے بجائے کیمپ کے دجلے کو دیکھ رہے تھے تو وہ بولا — "ایک لڑکی کے لئے چند مرد آپس میں لڑیں تو جائز ہے لیکن اگر تین چار لڑکیاں ایک دوسری سے جل کر تین چار مردوں میں ناچاقی کرادیں تو قصور مردوں کا ہے۔ بعد میں یہی لڑکیاں آپس میں ملیں گی۔ تو فوراً شیر و شکر ہوجائیں گی، مرد بے وقوفوں کی طرح دیکھتے رہ جائیں گے۔ لڑکیوں سے فالتو باتیں مت کیا کرو۔ آج تک خبریں براڈ کاسٹ کرنے کے تین طریقے ایجاد ہوئے ہیں — ریڈیو سے نشر کرنا، تار بھیجنا اور عورتوں کو بتا دینا۔"

برٹن نے سب کو بلایا ——— "تم میں سے کسی ایک کو کچھ عرصے کے لئے دور صحرا میں کام پر جانا ہوگا ——— کون جائے گا؟" سب میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے ہاں کہہ دی اور اگلے روز نئی جگہ پہونچ گیا۔ یہ اصلی صحرا تھا جہاں میلوں تک ویرانی ہی ویرانی تھی، اوپر مٹیالہ آسمان، نیچے ریت اگے، دکے جھلسے ہوئے درخت جھاڑیاں ——— اللہ ہو کا عالم!

میرے ساتھ جو پندرہ بیس آدمی تھے وہ کبھی کبھی باہر جاتے تو یہ دائمی سکوت ٹوٹتا، ایک پگڈنڈی قریب سے گزرتی تھی، ہم سب راہ گیر کی امید لگائے اسے دیکھتے رہتے پھر جب لاری ضروری چیزیں لاتی تو کچھ رونق ہو جاتی۔ چاروں طرف ہولناک سناٹا تھا اور دل دوز خاموشی تو

میرے لئے بالکل نئی تھی۔

آہستہ آہستہ میں صحرا اور تنہائی سے مانوس ہوتا گیا، دور دور آبادیاں تھیں وہاں جانے لگا۔ صحرا کے اصلی باشندوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تب معلوم ہوا کہ جسے میں اجاڑ ویرانہ سمجھتا رہا تھا وہاں زندگی اور روئیدگی کی کمی نہ تھی۔ جہاں ریت تھا وہاں چند فٹ نیچے اچھی بھلی زمین تھی کہیں سرخ، کہیں بھوری اور سیاہ چٹانیں تھیں کہیں لاوے کے تودے تھے تو کہیں سوکھے ہوئے نالوں کی گزرگاہ، سراب دیکھ دیکھ کر ہر نظارے سے اعتقاد اٹھ جاتا ـــــــ کبھی بہتے ہوئے دریا دکھائی دیتے کبھی موجیں مارتا ہوا سمندر، جھیلوں کی سطح پر درختوں کا عکس نظر آتا ـــــــ لیکن یہ سب دور دور رہتے قریب جاؤ تو آگے چلے جاتے، میلوں تک یہ دوڑ جاری رہتی۔

کبھی افق سے سیاہ بادل اٹھتا اس سے پہلے کہ آندھی کا شبہ ہو نصف سے زیادہ آسمان تاریک ہو جاتا سیاہ بادل اٹھلاتے کھیلتے یوں نظر آتے جیسے کسی کے ہاتھ سے بے شمار غبارے چھوٹ گئے ہوں، ٹیلوں سے بگولے اٹھتے اور چاروں طرف ستون ہی ستون اگ آتے، سیٹیاں بجاتے ہوئے تیز جھونکے پہلے ستونوں کو منہدم کرتے پھر ملبہ بھی غائب ہو جاتا۔ یہاں سے وہاں تک تیرہ و تاریک پردہ پھیل جاتا، بھورے بھورے فوارے ابلتے اور ریت کی پھواریں پڑتیں، پردہ ہٹتا تو متلاطم سمندر میں سورج کی ٹکیا

تیزی سے تیرتی ہوئی دکھائی دیتی ۔ طرح طرح کی شکلیں اور ہیولے نظر آتے ۔
ایک سمت میں بھاگتا ہوا ہجوم، کانپتی ہوئی عمارتیں، تھرتھراتا جنگل ——
جھگڑوں کی چیخیں اور گریہ زاری کبھی یوں لگتا جیسے زلزلے سے کائنات کانپ
رہی ہے کبھی ذرا سی دھند رہ جاتی، ابھی کچھ نظر آیا ابھی غائب ہوگیا ——
یہ ڈراؤنا طوفان جس تیزی سے آتا اسی طرح اتر جاتا، دفعتاً ٹیلے، افق،
آسمان سب نظر آنے لگتے اور ذرا سی دیر کے بعد سب کچھ ساکن ہو جاتا،
یقین نہ آتا کہ ابھی ابھی آندھی آئی تھی۔

صحرا فقط دو تین ملکوں میں ہی نہیں ہیں دنیا کا ایک کروڑ مربع
میل علاقہ صحرا ہے۔ دن میں درجہ حرارت ایک سو تیس پینتیس بیشک ہو جائے
لیکن راتیں بیحد خوش گوار ہوتی ہیں۔ دن بھر جانور غاروں اور بلوں میں چھپے
رہتے ہیں سہ پہر کو جب دھوپ پھیکی پڑتی ہے تو ہل چل مچ جاتی ہے۔
گلہریاں جھانکتی ہیں پرندے نکل آتے ہیں۔ پھر سب کچھ سنہرا ہو جاتا ہے
ریت کے ٹیلے، آسمان اور سورج کی کرنیں —— ہر طرف سونا برسنے لگتا
ہے۔ غروب آفتاب اپنی تمام سادگی کے باوجود بیحد حسین ہوتا ہے۔ پہلے
بڑی سی چمکیلی گیند کسی جھاڑی میں الجھ جاتی ہے پھر یکلخت کوئی اسے نیچے کھینچ
لیتا ہے اگر بھولا بھٹکا بادل مغرب سے گزر رہا ہو تو شفق پھولتی ہے۔ تارے
نکلتے ہیں، لرزتے، ٹمٹماتے سہمے سہمے سے۔ پھر ایسا وقفہ آتا ہے جس میں یہ پتہ

نہیں چلتا کہ یہ شام کا دھندلکا ہے یا صبح کاذب کے وقت آمد آفتاب کی نوید۔ کچھ دیر کے بعد زمین و آسمان روشن ہو جاتے ہیں، پہلے بڑے بڑے تارے مشعلوں کی مانند اپنے گرد ہالا بناتے ہیں پھر لاتعداد ننھے منے تارے خود رو پھولوں کی طرح ہر طرف نکل آتے ہیں۔ جوں جوں رات بڑھتی ہے یہ جگمگ جگمگ کرتا ہوا چراغاں زمین سے قریب تر ہوتا جاتا ہے جیسے ہاتھ بڑھاؤ اور تاروں کو چھو لو۔ سب تارے روپہلے نہیں ہوتے کئی نیلے ہوتے ہیں کئی سبز تو کئیوں سے سرخ رنگ جھلکتا ہے۔ تب سارا صحرا آباد ہو جاتا ہے طرح طرح کی آوازیں آتی ہیں' ہر طرف زندگی ہی زندگی ہوتی ہے۔ آسمان کا نور چکنے' پتھروں اور ریت کے ذروں سے منعکس ہوتا ہے تو تاحد نظر روشنیاں نظر آتی ہیں' ساکن روشنیاں، ٹمٹماتی جھلملاتی' روشنیاں، کچھ ایسی قندیلیں جو بجھ بجھ کر روشن ہوتی ہیں۔ اگر چاند ہو تو چاندنی طرح طرح کے روپ دھارتی ہے۔ آج کی محزون سی غمزدہ سی چاندنی نے تاروں کو بھی اداس کر دیا، تو کل چمکیلی، جگمگاتی چاندنی تاروں سمیت نظارے پر اس طرح چھائے گی کہ نہ افق کی تمیز رہے گی نہ زمین و آسمان کی' سب ایک ہو جائیں گے۔ کسی دن چنچل سی مست چاندنی فضاؤں کو مخمور کر دے گی جامد و بے حس چیزیں رقصاں ہو جائیں گی۔

افق پر تنہا کھجور کا درخت' بادل کا ٹکڑا' ڈوبتا یا ابھرتا چاند

مٹیالی اجڑی اجڑی سی رات اور اس کے بنور چاند ستارے ـــــــ یہ تصویریں ذہن میں یوں محفوظ ہو جاتی ہیں کہ مدتوں پیچھے پھر ایک دھند سی چھا جاتی ہے۔ آنکھیں پھر سراب دیکھتی ہیں۔ یہ کبھی برسنے والی گھٹا معلوم ہوتی ہے کبھی سلسلۂ کوہ تو کبھی اس کے پیچھے آبادیاں نظر آتی ہیں۔

ستارۂ صبح کے طلوع ہونے پر جو نور مغرب میں سمایا تھا مشرق سے ہویدا ہوتا ہے نسیم سحری آہستہ آہستہ سارے ستاروں کو بجھا دیتی ہے، ایک مرتبہ پھر صحرا میں ہل چل مچتی ہے 'پرندے فضاؤں میں زقندیں بھرتے ہیں' ہرن ادس چاٹتے ہیں' جاندار دن بھر کی قید کی تیاریاں کرتے ہیں۔

ایک ٹیلے کے عقب سے سورج جھانکنے لگتا ہے' بیحد دلکش اور سہانی صبح جلوہ گر ہوتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ سب تخلیق کیا تھا وہ دیکھ رہا ہے۔

جب جنگلوں' پہاڑوں اور آبادیوں میں دن چڑھتا ہے اور مخلوق جاگتی ہے تو صحراؤں میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ تپش بڑھتی جاتی ہے اور سہ پہر تک جمود طاری رہتا ہے۔

لیکن دن بھر کی کلفتوں کا انعام صحرا کی رات ہے ـــ ایسی رات اور کہیں نہیں آتی۔

ویرانے کو البادیہ کہتے ہیں اور جو ویرانوں میں گھومتا ہوا نظر آجائے

وہ لازمی طور پر البادہ یا البدوی ہوگا لیکن بدوؤں کو یہ نام پسند نہیں وہ اپنے آپ کو عرب کہتے ہیں۔ بدو کی زندگی کافی کھٹن ہوتی ہے، ماہرین کی رائے ہے کہ اس کی غذا بے حد قوت بخش ہے، لیکن اگر ماہرین کو عمر بھر اونٹنی کے دودھ اور کھجوروں پر گزارا کرنا پڑے تو شاید اپنی رائے بدل دیں گرمیوں میں جب صحرا تنور کی طرح دہکتا ہے تو بدو کو اتنی پروا نہیں ہوتی مگر سردیوں میں جب منجمد کر دینے والی ہوا چلتی ہے تو بہت گھبراتا ہے کیوں کہ اس کے پاس گرم کپڑے نہیں ہوتے، تب بھی وہ مضبوط اور سخت جان ہوتا ہے۔ کوئی بدو کمزور یا دبلا ہو تو صحرا میں نہ وٹامن کی گولیاں مل سکتی ہیں نہ مقوی معجون ــــــ چنانچہ جو بدو بیماریوں سے بچ جائیں وہ واقعی تگڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بدو محض تفریحاً خانہ بدوشی پر تلے رہتے ہیں حالاں کہ گرمیوں میں سارے قبیلے کنوؤں اور چشموں اور نخلستانوں کے گرد محض ضرورتاً جمع ہوتے ہیں اور سردیوں میں بھیڑوں اور اونٹوں کی خاطر چراگاہوں کا طواف کرنا پڑتا ہے۔

لڑائی جھگڑا زیادہ طور پر گرمیوں میں ہوتا ہے کیوں کہ ہر قبیلہ جانتا ہے کہ دوسرے قبیلے کہاں سے پانی لیتے ہیں چنانچہ اس موسم میں سردیوں کے تنازعے چکانے کا موقع ملتا ہے۔ ویسے موسم بےشک تبدیل ہو جائے لیکن گرمیاں آفیشلی تب ختم ہوتی ہیں جب علی الصبح سہیل نظر آنے لگتا ہے سب ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں کہ ایک اور

گرمی بخیر و عافیت گزر گئی۔

بدوؤں کی شاعری اور موسیقی عموماً جنگ سے متعلق ہوتی ہیں مثلاً آدھی رات کی ہوائیں، چمکتے ہوئے تارے مجھے جانتے ہیں۔
صبح کاذب کا اجالا، تپتا ہوا سورج اور باد سموم مجھ سے آشنا ہیں ——
پگھلتی چٹانیں اڑتی ریت اور نخلستان کا سبزہ میرے گھوڑوں کے سموں کو پہچانتے ہیں۔

اس گیت سے یہ پتہ چلنا مشکل ہے کہ اشعار کسی جنگ جو نے کہے ہیں یا بے قرار عاشق نے (اگرچہ عشق کے سلسلے میں کافی خون خرابا ہوتا ہے) صحرا میں تحریری ریکارڈ نہیں رکھا جا سکتا اس لئے اپنے نام کے ساتھ بزرگوں اور اولاد کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تب ہی نام لمبے ہو جاتے ہیں (مجھے وہ ہندی یاد آ گئے جو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کہیں باہر سے آئے ہیں اس قسم کے نام رکھتے تھے —— دس برس کا لڑکا ابو جعفر یعنی جعفر کا باپ تھا اور غیر شادی شدہ لڑکی ام طاہرہ جعفری یعنی طاہرہ کی ماں)

بدوؤں کے یہاں کہاوتوں کا استعمال ہوتا ہے، کسی بات پر زور ڈالنا ہو تو پہلے ایک آدھ قصہ ضرور بیان کریں گے مثلاً —— کسی

نے اونٹ کو یہ دعا دی کہ خدا کرے تجھے چور لے جائیں، اونٹ بولا بیشک لے جائیں اپنا کیا ہے ہر جگہ محنت کرنی ہے اور گھاس کھانی ہے ——
میں نے کبھی ایسی ہی طبیعت پائی ہے جس حال میں ہوں خوش رہتا ہوں ویسے ان کی کہاوتوں میں بڑی بے ساختگی ہے —— دشمن کنوئیں کے قریب کھڑا ہو تو اسے ڈھکیل دو
میرے دشمن کا دشمن میرا عزیز دوست ہے "کتے کو پیٹو تو شیر دم ہلانے لگتا ہے" بابل کا مینار اس لئے تباہ ہوا تھا کہ اس کے گرد شہر آباد تھا، دشمن کو ہمیشہ خوار کرو ابھی نہیں کر سکتے تو حالات بہتر ہوتے ہی ذلیل کرو، دوران گفتگو میں کوئی انکساری دکھائے اور اپنے آپ کو الفقیر کہے تو فوراً اسے جنابکم کہنا پڑتا ہے۔
کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہو جائے تو لوگ افسوس کرنے آتے ہیں اور یہ فقرہ کہتے ہیں —— "اللہ تعالیٰ اگلی مرتبہ آپ پر کرم فرمائے"۔
دوسرے ملکوں کے متعلق ان کی معلومات صفر کے برابر ہیں۔ مجھ سے خوش ہو کر اکثر کہا کرتے —— "خدا تمھارے اونٹوں اور بھیڑوں کی تعداد میں اضافہ کرے" خدا کرے تمھارا قبیلہ فتح یاب ہو اور دشمن قبیلے غارت ہوں ——"
بدو اور اونٹ کی محبت بڑی پرانی ہے لیکن اونٹ پاگل ہو جائے

دسردیوں میں اونٹ تھوڑے بہت پاگل ہوتے ہیں) تو ساربان اور دلرح خبیثہ کا اثر سمجھ کر بجائے مالشی کرنے کے اسے زدوکوب کرتے ہیں (جو بالکل غلط علاج ہے) طویل سفر سے پہلے جیسے موٹر کا تیل پٹرول وغیرہ چیک کیا جاتا ہے اسی طرح اونٹ کو بھی چیک کرتے ہیں۔ اونٹ میں پچیس تیس گیلن پانی سما سکتا ہے لیکن وہ اتنا سارا پانی خوش ہو کر کبھی نہیں پیتا خشک صحرا عبور کرنا ہو تو اونٹ کو ڈھا کر بالٹیوں سے منہ میں پانی ڈالا جاتا ہے (اور پھر اس سے شتر غمزدل کی توقع کی جاتی ہے)

رات کا سفر تاروں کی مدد سے ہوتا ہے حدی خوانی بھی کی جاتی ہے (کہا جاتا ہے کہ جب ساربان اونٹ کے کان کے نزدیک بلند آواز میں گاتا ہے تو اونٹ بہت خوش ہوتا ہے)

اونٹ چلتے چلتے دفعتاً چست ہو کر بھاگنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ نخلستان قریب ہے۔ غالباً اونٹ نخلستانوں کے سلسلے میں خود صحرا عبور کر لیتا ہے۔ اک مرتبہ رات کے سفر پہ میں نے ساربان سے پوچھا کہ کون سا ستارہ چنا ہے؟ اس نے ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"ستارہ کیا ـــــ اونٹ جانے اور منزل مجھے کچھ پتہ نہیں"

صحرا میں جگہ جگہ کھنڈر ملتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی دریا نے رخ بدل لیا، گزرتی ہوئی فوج کچھ عرصہ ٹھہر گئی کبھی چشمے سوکھ گئے اور صحرا

کا ایک اور شہر اجڑ گیا، پھر آندھیوں نے کھنڈرات کو یوں دفن کیا کہ قریب سے گزرنے والے کو شبہ تک نہیں ہوتا کہ یہاں کبھی آبادی تھی۔ لیکن اب تو بستے ہوئے گاؤں اور کھنڈرات اس قدر خلط ملط ہو چکے ہیں کہ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا ہے (پچھلی صدی میں ایک کشتی اشوریوں کے زمانے کی برآمد شدہ چیزیں لیے جا رہی تھی کہ دجلے میں ڈوب گئی، قریب کے گاؤں کے باشندوں نے دریا سے سب کچھ نکال لیا، ڈھائی ہزار سال پرانے ہل سہاگے وغیرہ مدتوں استعمال کیے) بارشوں کا موسم آتا ہے، کتنی مرتبہ نیلے نیلے بادل ترسا کر نکل جاتے ہیں آخر بوندیں پڑتی ہیں، دیکھتے دیکھتے خشک وادیوں میں ندیاں بہنے لگتی ہیں، مدتوں کے پیاسے درخت گرد و غبار اتار کر تر و تازہ ہو جاتے ہیں، جھلسی ہوئی زمین سے قسم قسم کی خوشبوئیں آتی ہیں — پانی طرح طرح کے تماشے کرتا ہے کہیں مچلتے ہوئے بھنور بنائے کہیں تالاب بن کر ساکن ہو گیا، چٹانوں پر پھواریں بکھریں، خاردار جھاڑیوں سے موتی ٹپکائے، یہاں آبشار گرائی وہاں دلدل بنائی اور غائب ہو گیا۔

بہار آتی ہے تو میلوں تک رنگ و بو کا طوفان بپا ہو جاتا ہے رنگ رنگ کے خودرو پھول کھلتے ہیں کہیں سے بے شمار تتلیاں آجاتی ہیں۔ نیلے پھولوں پر گلابی تتلیاں، زرد کلیوں پر نارنجی تتلیاں — رنگوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ رونق صرف چند ہفتوں کی ہوتی ہے مگر اس

مختصر سے وقفے میں جو کچھ نظر آجاتا ہے ۔ وہ سال بھر کے لئے کافی ہوتا ہے۔

لیکن بدوؤں کو ساری نباتات میں فقط کھجور سے الفت ہے ــــــ اس کا ذکر بڑے پیار سے کرتے ہیں ـــ

"کھجور کا درخت تب خوش ہوتا ہے جب اس کی چوٹی جہنم میں ہو اور جڑیں بہشت میں ــــــــ" (ماہرین کا کہنا ہے کہ اس علاقے میں جتنے درخت تھے سب برباد ہو گئے، کھجور اس لئے رہ گئے کہ یہ اونٹوں اور بکریوں کے لئے ذرا اونچا تھی).

●

ایک دن لاری خبر لائی کہ میرا تبادلہ ہوگیا ہے —

کیمپ پہونچ کر معلوم ہوا کہ مجھے جن لوگوں کے ہمراہ جانا ہے وہ کسی نامعلوم مقام پر جارہے ہیں منزل کے متعلق قیاس آرائیاں ہونے لگیں، روانگی کی صحیح تاریخ کی اطلاع بھی بغداد سے آئی تھی صبح سے شام تک میں ٹیلیفون کا انتظار کیا کرتا۔

موہن نے بتایا کہ اس کے بیٹے نے لکھنا سیکھ لیا ہے اور پہلا خط باپ کو لکھا ہے اس نے لڑکے کی تصویر دکھائی " والد صاحب اسے بہت چاہتے تھے، جب یہ پیدا ہوا تو انھوں نے مجھے بالکل بھلا دیا تھا۔ ہر وقت پوتے کو اٹھائے پھرتے ——— سود اصل سے زیادہ

پیارا ہوتا ہے ـــــ شاید اسی معصوم کے طفیل حالات بہتر ہو جائیں"۔

منصور اور میں لمبی سیروں پر جاتے، بار بار خطرے کا مقابلہ کرکے اس میں ایسی خود اعتمادی آچکی تھی کہ موجودہ پرامن زندگی سے مطمئن نہیں تھا "میں بے چین ہوں حالات اور حریفوں سے نبرد آزمائی کئے ہوئے عرصہ ہو چکا ہے۔ ایسے ایک اور تجربے کافی نہیں ہوتے۔ جب موقع ملے الجھ جانا چاہیئے ورنہ نہ اپنی خامیوں کا صحیح اندازہ ہوتا ہے نہ خوبیوں کا۔ جہاں تم جا رہے ہو وہاں انتظار اور تشویش سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔ طرح طرح کے وسوسے آئیں گے، جب پرانے بندھن اپنی طرف کھینچیں گے تو دنیا اندھیری معلوم ہوگی۔ لمحے۔ دن گزرتے چلے جائیں گے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور پھر جب موقع آئے گا تو سب کچھ بھول جاؤ گے۔ نہ ماضی یاد رہے گا نہ مستقبل بس ایک دھن سوار ہوگی کہ اگر اس وقت ذرا سی چوک ہوئی تو کہیں خود اپنی نگاہوں میں نہ گر جاؤں ـــــ بعد میں اپنے شبہات پر ہنسو گے اس طویل وقفے پر قہقہے لگاؤ گے جس میں سوچ سوچ کر برا حال کر لیا تھا ـــــ اگلی آزمائش مقابلتاً آسان ہوگی، پھر کچھ عرصے کے بعد خطرہ خطرہ نہیں رہے گا۔"

اس نے ایک واقعہ سنایا "سات گڈریے طوفان میں گم گئے" دوپہر سے شام ہو گئی۔ لیکن طوفان کی تیزی کم نہ ہوئی بجلی بار بار کڑکتی لیکن

بادلوں ہی میں رہ جاتی ۔ آخر ایک معمّر گڈریے نے کہا کہ آج ہم میں سے کسی کی جان لے کر ٹلے گی، چھپ کر انتظار کرنے سے بہتر ہے ۔ کہ باری باری باہر نکل کر وادی عبور کریں، جو نکل گیا بچ جائے گا ـــــ قرعہ اندازی ہوئی ۔ پہلا گڈریہ ڈرتا ہوا نکلا کانپتے کانپتے وادی طے کی، دوسری طرف پہونچ کر خوشی کا نعرہ لگایا ۔ دوسرا گزر گیا لیکن بجلی نہیں گری، تیسرا، چوتھا، پانچواں ـــــ پھر چھٹا لرزتا ہوا نکلا ۔ بجلی پھر بھی نہ گری ـــــ جب دوسری طرف سے چھ ہنس رہے تھے تو ساتواں جھونپڑی میں کھڑا موت کا انتظار کر رہا تھا ـــــ یکلخت بجلی کڑکی زور کا دھماکا ہوا ـــــ دوسرے کنارے پر چھ گڈریے مرے پڑے تھے ـــــ جو قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہ نہ ایک دن پہلے ہوتا ہے نہ ایک روز بعد میں ـــــ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا ـــــ"

بغداد سے اطلاع آگئی اور میں اسی روز چل پڑا ۔ اپنے نئے ساتھیوں سے ملا اور چند ہی دنوں میں ہم دجلے کو چھوڑ کر دور نکل گئے ۔ اس کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہوئی ۔ جو کچھ دیکھا محسوس کیا، بالکل عجیب تھا ۔ ہر واقعہ نت نئے تاثرات لاتا، ہر تجربہ دوسرے سے مختلف تھا، نظریے بنتے ختم ہوتے رہے ۔ مسرت، بے چینی، اطمینان فکر ـــــ ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہے ۔

کچھ عرصے کے بعد جب واپس لوٹا تو بغداد پہونچ کر یوں لگا جیسے چھوٹی سی بستی میں آگیا اور کیمپ تو بالکل سنسان جگہ پر معلوم ہوئی۔ پرانے رفیق اب تک وہیں تھے محفلیں بھی اسی طرح جمتیں لیکن ان کی نوعیت میں فرق آگیا تھا ان میں شریک ہوتا مگر طالب علم کی حیثیت سے نہیں۔ آدھی گفتگو سنتا آدھی سنائی نہ دیتی ـــــ اپنی ہی باتیں سوچتا رہتا۔

سنیچر کی شام کو بغداد جاتے تو وڈ سے ملاقات ہوتی، ورنہ ہفتے بھر نظر نہ آتا۔ شام کو کبھی کوئی پوچھ بیٹھتا ـــــ وڈ نہیں آیا؟ تو برٹن کہتا ـــــ "وہ اپنے آپ کو اسکاٹسمین بتاتا تھا ـــــ شاید تبھی سنیچر کی شام کے لئے چھ دن کنجوسی کرتا ہے"

وڈ پہلے تاریخ کا ماسٹر تھا، اس کی گفتگو کا آغاز عموماً اسکاٹ لینڈ سے ہوتا ـــــ "شاید آپ نہیں جانتے کہ اسکاٹ لینڈ والوں کی کنجوسی کے قصے خود ان ہی لوگوں نے مشہور کئے ہیں ـــــ وہاں کے کسی باشندے نے لاٹری کے دو ٹکٹ خریدے، اتفاق سے ایک ٹکٹ نکل آیا، لاٹری والوں کا نمایندہ انعام لے کر پہونچا اور پوچھا کہ اگر تمھیں بیس ہزار پونڈ مل جائیں تو کیا کرو گے؟ ـــــ سب سے پہلے انھیں گنوں گا ـــــ جواب ملا۔ بیس ہزار پونڈ لے کر اسکاٹسمین نے سر پیٹ لیا ـــــ ہائے افسوس، وہ دوسرا ٹکٹ کیوں خریدا تھا۔"

اس کے بعد سے تاریخ شروع ہوئی ـــــــ نپولین کا قول ہے کہ بار بار دشمن سے مت لڑو ورنہ وہ تمھاری ساری چالیں سمجھ جائے گا۔ یا دشمن کے بارے میں برنارڈ شا نے کہا ہے کہ دشمن کی قدر کرو کیوں کہ وہ تمھیں چست رکھتا ہے۔ نکما نہیں بیٹھنے دیتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اتنی دیر میں نشہ چڑھنے لگتا، مخمور ہوتے ہی اس کا لہجہ تلخ ہوجاتا، بڑی طنزیہ باتیں کرتا۔

"مشرق مشرق ہی ہے ـــــــ یہاں کے بیشتر باشندے فقط محبت، شاعری، منشیات اور قدیم عظمت کے سہارے زندہ رہتے ہیں۔ ـــــــ میں پہلی دفعہ ہندستان گیا تو سونے چاندی میں لپٹی ہوئی مٹھائیاں اور پان دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ لوگ سارا سونا چاندی تو اس طرح کھا جاتے ہیں، غربت کیوں نہ ہو ـــــــ شنگھائی میں اتنے باشندے چھتوں سے کود کود کر خودکشی کرتے ہیں۔ راہ گیروں کو مجبوراً سڑک کے بیچ میں چلنا پڑتا ہے ـــــــ"

برٹن کو اس کی باتیں ذرا نہ بھاتیں، قہقہہ لگا کر کہتا ـــــــ

"ڈڈکم سے دولہ گزارے ہوئے چند روز اتنے خوش گوار ہوتے تھے جیسے بحیرہ روم کی بندرگاہ پر چھٹی کے چند مہینے ـــــ"

"موصل کے شمال مشرق میں یزیدی رہتے ہیں بارھویں صدی

میں ان کے شیخ نے تلقین کی کہ کسی سے نفرت نہ کرو، چنانچہ یہ کسی سے نفرت نہیں کرتے یہاں تک کہ شیطان سے بھی نہیں ان کا عقیدہ ہے کہ فی الحال شیطان زیر عتاب ہے کبھی نہ کبھی دن اسے معافی مل جائے گی۔"

سب خاموش ہو جاتے ــــ لیکن وہ بولتا چلا جاتا ــــ

"پرسوں بغداد میں رونہ نے ایک قالین کی قیمت پوچھی، پھیری والے نے پچاس پونڈ مانگے، ایک گھنٹے کی بحث کے بعد پانچ پاؤنڈ پہ فیصلہ ہوا۔ جب ویسے ہی قالین کے لئے میں نے بھی پانچ پاؤنڈ نکالے تو پھیری والے نے کہا کہ یہ سودا تو ان صاحب سے ہوا ہے آپ سے از سر نو بحث شروع کر دوں گا ــــ"

ہمیں چپ پاکر اور خفا ہوتا ــــ "کچھ تو بولو ــــ"

"ہم آپ سے متفق ہیں ــــ" میں تنگ آکر کہتا۔

"یوں نہیں باقاعدہ بحث کرو،"

موہن بہت جھنجھلاتا ــــ "خان صاحب جن لوگوں کو موافق نہیں آتی وہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ لعنت ہے ایسے نشے پر۔"

وڈ بغداد جاتا تو کباڑی بازار کی سیر ضرور کرتا، سارے دن کی چھان بین کے بعد کوئی سستی سی بوسیدہ کتاب خریدتا۔ لائبریریوں میں جاکر ایسی کتابیں تلاش کرتا جن سے سنیچر کی شام کے لئے مواد مل سکے۔

واپس آکر شکایت کرتا ـــــــ "یہاں کے کباڑی بازار میں کچھ نہیں ـــــ ان کی باقاعدہ تنظیم ہونی چاہیئے ـــــ کسی ملک کے کلچر کا صحیح اندازہ کباڑیوں کی دکانیں دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے ـــــ کہ لوگ کیسی کتابیں پڑھتے ہیں کیا سامان خریدتے ہیں۔ ان کی معاشی حالت کیسی ہوتی ہے"

بغداد میں جرجیس پل پہ کھڑی ہوئی لڑکیوں پر تبصرہ کر رہا تھا۔ یہ حسین ہے مگر فربہ ہے وہ پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہے بہت موٹے فریم کی عینک لگا رکھی ہے ـــ اور اسے احساس کمتری ہوگا اونچی ایڑی کے جوتے ہیں اور اس قدر میک اپ! مگر جو مٹک مٹک کر چل رہی ہے وہ خوب ہے ـــ"

"جرجیس یوں دل خوش کرنا بے کار ہے ـــ سب سے اچھی وہ ہے جو ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ساتھ ساتھ چلے ـــ"

اور میرا ماتھا ٹھنکا۔

ان چند مہینوں میں کچھ ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تو ـــــ وہ مسکرانے لگا۔

"ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ ہمیشہ بھرے میلے سے رخصت ہونا چاہیئے ـــ"

شام کو رقص گاہ میں سب خاموش سے تھے سوائے جرجیس کے۔
منصور چپ تھا۔ سعدہ نظریں نیچی کئے بیٹھی تھی، سلیم دو تین مرتبہ اپنے
خونخوار سے دوستوں سمیت آیا لیکن میں نے بھگا دیا۔
منصور رقص کرنے گیا تو سعدہ نے مجھ سے پوچھا ـــــ "ان
چند مہینوں میں تمھیں کون فلسفی بنا گیا؟ کیا ہوا تھا!"
"کچھ نہیں ـــ"
سعدہ کی سہیلیاں آگئیں، لوی زا نے ہتھیلی سامنے کر دی "صحرا
نوردی کر کے آئے ہو ـــــ کوئی پیشین گوئی کرو ـــ"
جرجیس سرپٹ بھاگا آیا ـــــ "اب پتہ چلا کہ تمھاری
مقبولیت کا راز کیا ہے۔ نرم و نازک ہاتھوں کو دیکھ چلے سخت اور
کھردری ہتھیلیاں بھی تھامو ـــ"
جرجیس لکیریں کہتی ہیں کہ تمھاری شادی ہوگی ـــ"
"کس سے ہوگی؟ اس کا نام کیا ہے؟" اس نے لوی زا کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ایک لڑکی سے ہوگی جس کا نام مسز جرجیس ہوگا ـــ"
"جان گیا، وہ سب سے انوکھی ہے۔ حسین ہے، ذہین ہے
ـــــ اور میں اس پر بڑی طرح فریفتہ ہوں ـــ" وہ لوی زا کو ٹکٹکی لگائے

گھور رہا تھا۔

"اس سے شادی کرو گے؟"

"موضوع مت بدلو ـــــ بلکہ یہ بتاؤ کہ اسے مجھ سے کتنی محبت ہوگی؟ مانا کہ میں اتنا حسین نہیں ہوں پھر بھی محبت ـــــ"

"تو کیا ہوا دن بھر تو تم دفتر میں رہا کرو گے۔"

"مصیبت تو یہ ہے کہ تمھاری معلومات بالکل محدود ہیں، تب ہی لڑکیوں کے معاملے میں اتنے شوقین ہو، حالات بدل چکے ہیں ـــــ وہ دن گئے، جب لڑکے ڈینگیں مارتے تھے کہ آؤ یارو ان حسین تصویروں کو دیکھو اور خاکسار کے ذوق کی داد دو ـــــ اب تو لڑکیاں بلا جھجک کہتی ہیں، سہیلیو چند بے وقوفوں کی تصویریں دکھاؤں؟"

فوراً تو تو میں میں شروع ہو گئی۔

پروگرام بنا کر جھیل میں کشتی کی سیر کی جائے۔ بڑی سہانی رات تھی، چاند نکلا ہوا تھا۔

لولیتا ایک نئی لڑکی کو لے کر آئی اور مجھ سے کہا ـــــ "ہم دونوں آپ کی کشتی میں چلیں گی۔"

منصور نے مجھے بتایا کہ یہ لطیفہ ہے، سعدہ کی چھوٹی بہن، ابھی ابھی ایران سے آئی ہے۔ "یہ التفات اس لئے ہے کہ ساری شام تم نے اس

کی طرف دیکھا تک نہیں۔ لڑکیوں کے کتنے عجیب موڈ ہوتے ہیں آج خوشامد چاہتی ہیں تو کل بے رخی پر ریجھ جائیں گی۔"

جرجیس کو سواریاں نہیں مل رہی تھیں ——— لوئی زا سے کہہ رہا تھا ——— "انکار مت کرو، خدا کے لئے کچھ چاند چکوروں ہی کا لحاظ کرو۔ آرٹسٹ ہوتے ہوئے ایسی حسین رات کو نظر انداز کردو گی ——— کیا تمہیں قدرتی نظاروں کا اتنا سا بھی خیال نہیں؟"

میں نے چپو سنبھالے ——— تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ لطیفہ بولی ——— "کنارے پہ چلیے میں کچھ بھول آئی ہوں۔"

واپس گئے، دونوں میں کھسر پھسر ہوئی اور لولیتا اتر گئی۔

"چلیے" ——— لطیفہ نے کہا۔

میں نے پھر چپو سنبھالے ——— لیکن کشتی کے رخ کے متعلق ہدایتیں ملنے لگیں۔ اس طرف موڑیئے ——— اب اس طرف چلیے دراصل وہ چاہتی تھی کہ چاند کی طرف منھ ہو جائے لیکن اس طرح کشتی غلط رخ میں چلی جاتی "جگمگاتے چہروں کو چاندنی کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے تنگ آکر کہا۔

آپ کس ٹائپ کے ہیں؟" وہ خوش ہو کر بولی ——— "انٹلکچوئل آؤٹ ڈور، یا کچھ اور؟"

"کچھ اور ـــــ" میں نے جواب دیا۔

"یہ صحیح ہے کہ لڑکیاں زیادہ تخیل پرست ہوتی ہیں؟"

"صحیح تو ہے مگر درست نہیں"۔

"کیوں ـــ؟"

اس لئے کہ کچھ لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو جھاڑیوں میں پرندے تلاش کرنے کے بجائے کھیل شروع ہوتے ہی اپنے میز پر رکھوا لیتی ہیں"۔

"یہ بتایئے کہ محبت کے لئے حسن و دلکشی کے علاوہ اور کیا کیا خوبیاں ضروری ہوتی ہیں ـــ؟"

"موقع پر موجود ہونا نہایت اہم ہے، فرصت نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ـــ"

"لیکن آپ کو یہ علم نہیں کہ عورت کا دل اس کے ہونٹوں سے پہلے ہاں کہتا ہے، یہ وقفہ اس کے لئے حسین ترین وقفہ ہے جسے وہ زیادہ سے زیادہ طویل کرنا چاہتی ہے ـــــ جہاں مرد ہر معاشقے کو اپنا پہلا رومان کہتے ہیں وہاں عورت معاشقے کو اپنا آخری رومان بنانا چاہتی ہے"۔

"یہ آپ نے کس کتاب میں پڑھا تھا؟"

"آپ کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے ـــــ ہم دونوں ہم ذوق ہیں اس لئے ایسی باتیں کہہ رہی ہوں ـــ" اس نے سعدہ کا ذکر چھیڑ دیا

"حالاں کہ وہ میری سگی بہن ہے لیکن ہم بچپن سے دور دور رہے ہیں اتنی ایک دوسری سے اجنبی کی طرح ملتی ہیں ـــــ اس کے باوجود میری بہن ہے بھلا میں یہ کیسے بتاؤں کہ اسے آپ میں دلچسپی نہیں ـــــ منع کرنے پر بھی وہ سلیم سے ملتی ہے ـــــ یہ اتنی تیزی سے کہاں جارہے ہو ـــــ ؟"

"کنارے کی طرف ـــ"

"سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں ـــــ وہ چڑ گئی۔

"سب عورتیں ایک سی ہوتی ہیں ـــ"

واپسی پر منصور بولا ـــــ "جب دو بہنوں یا دو عزیز سہیلیوں سے واسطہ پڑ جائے تو ٹل جانا چاہیئے ـــــ ورنہ بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ـــ سعدہ کی نظریں تمہاری کشتی پر رکھیں ـ"

"میں بھی اس مقولے کو جانتا ہوں ـــــ ابھی ابھی اسی پر عمل کیا تھا ـــــ"

موہن پھر غمگین رہنے لگا۔ شاید حالات پھر خراب ہو گئے تھے، اکثر پوچھتا ـــ "یہ بتایئے کہ محبوبہ، دوست، بیوی، اولاد ـــ ان سب سے اچھی طرح پیش آتے رہو، ہاں میں ہاں ملاؤ تو سب خوش رہتے ہیں، لیکن ایک غلط فقرہ منہ سے نکل جائے تو فوراً خفا ہو جاتے ہیں ـــــ بعض دفعہ تو بغیر کسی وجہ کے پرانی رفاقت ختم ہو جاتی ہے ـــــ یہاں ہمیشہ ڈر ڈر کر

کیوں رہنا پڑتا ہے؟"

میں خاموش ہو جاتا۔

"میں نے فلسفے کا سہارا لیا، اپنے آپ کو سمجھایا کہ میری روح ان سب بکھیڑوں سے آزاد ہے، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں مجھ پر وقتی طور پر بیشک اثر ڈال لیں لیکن روح تک نہ پہونچیں ـــــ مگر کامیابی نہیں ہوتی۔"

"منصور نے مثال دی تھی کہ محبوبہ کی محبت چاند کی طرح ہے جو گھٹتا بڑھتا ہے لیکن بھائیوں اور دوستوں کی محبت تاروں جیسی ہے، جگمگاہٹ کم ہے لیکن ہمیشہ رہتی ہے ـــــ منصور کو تو دوستوں پر بڑا ناز ہے کسی نے دوستوں کا طعنہ دیا کہ جھوٹے اور بے وفا ہیں تو منصور نے جواب دیا کہ وہ دوست نہیں دور کے رشتہ دار ہوں گے، کیوں کہ رشتہ دار تو حصے میں آجاتے ہیں دوست انسان خود چنتا ہے ـ"

"یہ تو منصور کا نظریہ ہے، آپ بھی کچھ بتایا کریں ـــــ ان چند مہینوں میں آپ نے کئی جگہیں دیکھی ہیں آپ اب اتنے ناتجربہ کار نہیں رہے ـــــ"

"اچھا میں کسی دن ضرور آؤں گا ـــــ" میں وعدہ کرتا۔

جب جبیں کو سمجھایا جاتا تو وہ کڑھنے لگتا ـــــ "مجھے سب بیوقوف سمجھتے ہیں، ساری عمر نصیحتیں ہی سنتا رہوں گا، دیکھ لینا کسی روز میرا نصیبہ

ضرور جاگے گا، جس کام میں ہاتھ ڈالوں گا کامیابی ہوگی، وہ دن دور نہیں ہے —"

لیکن روزا اسے حساب لگا کر بتاتا — "لڑکی کہے کہ سوچ کر بتاؤں گی یا والدین سے مشورہ لینا ضروری ہے تو تین مہینے سے زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیئے — مگر اس عرصے کے بعد وہ خاموش رہے تو سمجھ لو کہ اسے تمہاری پرواہ نہیں ہے — کیونکہ سوچنے کے لیئے تین مہینے کافی ہوتے ہیں —"

ایک شام کو کچھ مہمان آئے ہوئے تھے اچھی اچھی باتیں ہو رہی تھیں کہ وڈہ آ گیا — سب خاموش ہو گئے، اس نے پہلے تو اسکاٹ لینڈ کی باتیں کیں جب نشہ چڑھا تو فوراً مشرق کا ذکر چھیڑ دیا — "خلافت کے آخری دنوں میں ایک حکمراں نے قسم کھائی کہ جب تک منگولیا کی خاک نہ روند لوں چین سے نہ بیٹھوں گا۔ جب کچھ بھی نہ ہوا تو وزیروں نے منگولیا سے مٹی کی چند بوریاں منگائیں مٹی دربار میں بچھائی گئی جسے روند کر حکمراں مطمئن ہو گئے — ایسی ہی باتوں سے چڑ کر ہلاکو نے حملہ کیا تھا —"

"اس مرتبہ بغداد سے کون سی پرانی کتاب لائے ہو؟" برٹن نے ہنس کر پوچھا۔

"بغداد کے بستے ہی دو ہی شخصیتیں آئیں — وزیر جو خلیفہ

اور رعایا کے بیچ میں آکر کھڑا ہوا اور جلاد جو دربار میں تلوار لئے منتظر رہتا —"

تیسرا وڈ تھا جو کباڑیوں کا مہتم مقرر ہوا" روز نے لقمہ دیا۔

حالاں کہ عربوں کی سلطنت بحرِ اوقیانوس سے بحرِ ہند تک پھیل چکی تھی لیکن یورپ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے، دسویں صدی میں جغرافیہ داں مسعودی نے لکھا ہے — شمال کے لوگ ایسے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں سورج نصف النہار پر کبھی نہیں آتا۔ شاید سردی، نمی اور برفباری نے انھیں گرم جوشی اور تپاک سے محروم کردیا ہے قوی الجثہ باشندے نہ لطیف جذبات سے آشنا ہیں نہ آدابِ گفتگو سے —"

"معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی نے وڈ کے بارے میں لکھا ہے —" برٹن بولا —

"پھر گیارھویں صدی میں طلیطلہ کے قاضی نے کہا کہ یورپ کے باشندے کے رنگ پیلے ہیں اور جسم بے ڈھنگے، وہ حجامت نہیں کراتے، ان میں ذہانت، سرگرمی، مفاہمت اور وسیع النظری کی کمی ہے اور وہ جہالت، تعصب اور بدتمیزی کی طرف مائل ہیں — طلیطلہ کے قاضی کو یہ خیال نہ آیا کہ طلیطلہ یورپ میں ہے —"

قاضی نے یہ بیان وڈ جیسے آدمیوں کو مدنظر رکھ کر دیا ہوگا —

روز بولا ۔

"عربوں کو مغرب میں ذرا دلچسپی نہیں تھی یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے عالم نے چودھویں صدی میں تحریر کیا کہ سنا ہے کہ بحرۂ روم کے شمالی ملک کافی ترقی یافتہ ہیں، وہاں سائنس اور فلسفہ عروج پر ہیں اور طلباء کی تعداد کثیر ہے لیکن حقیقت کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا ۔"

"ابن خلدون کو شبہ اس لئے ہوا ہوگا کہ اس نے وڈ کو دیکھ لیا ہوگا ——— " ایک طرف سے آواز آئی لیکن وڈ لگاتار بولا رہا تھا۔ برٹن نے پہلے کسی مخمور کو نہیں ڈانٹا تھا لیکن اس روز غصہ ضبط نہ کر سکا ——— بڑے تلخ لہجے میں بولا ——— "وڈ! اول تو تم اسکاٹسمین نہیں ہو کیونکہ تمھاری ساری عمر جنوبی افریقہ میں گزری ہے پھر تمھیں یہ پتہ نہیں کہ لوگ ملک کا اندازہ فقط ان چند باشندوں سے لگاتے ہیں جن سے اتفاقاً ملاقات ہو جائے میں جانتا ہوں کہ انسان متضاد عناصر سے بنا ہے بے وقوفی، دانائی، بزدلی، دلیری، شرافت اور خباثت کا مرکب ہے ——— اصل چیز ہے امتزاج کہ ان عناصر کا توازن کیا ہے اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ وہ چاہے تو خوبیوں کی تکمیل کر سکتا ہے برائیوں کو دبا سکتا ہے خدا کے لئے تم بھی کبھی کوششیں کیا کرو ——— " اگلی صبح برٹن نے ٹیلیفون کیا اور وڈ کا تبادلہ ہو گیا ۔

کچھ عرصہ صحرا میں گزار کر میں واپس کیمپ پہونچا تو معلوم ہوا کہ جبر جبیں لاپتہ ہے، اس کے محکمے والے نے اسے موصل کی طرف بھیجا تھا تب سے نہ کوئی خبر آئی نہ خط۔ مجھے یونہی وہم سا رہنے لگا نہ جانے بیچارہ کس حال میں ہوگا اس کا بھیگی ہوئی تصویریں اٹھانا یاد آتا۔ سب کہتے کہ فکر مت کرو۔ خدا شکر خورے کو شکر ہی دیتا ہے۔ کہیں مزے کر رہا ہوگا لیکن میری تشویش نہ گئی آخر ایک روز اس کے گاؤں کا پتہ پوچھ کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا ـــــــ بڑی مصیبتوں سے وہاں پہونچا، گھر تلاش کر کے آواز دی، سفید بالوں والی معصوم سی ضعیفہ باہر نکلی۔ بالکل روئی کی گڑیا معلوم ہوتی تھی ـــــــ "آپ جبر جبیں کے دوست ہیں؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کتنے دنوں سے آپ کا انتظار کر رہا ہے، ہر آہٹ پر چونک کر پوچھتا ہے۔ امی میرے دوست تو نہیں آئے؟ بتاتی ہوں کہ نہیں آئے تو خفا ہوتا ہے، امی وہ ضرور آئیں گے میرے دوست ایسے نہیں ہیں کہ میں یاد کروں اور وہ نہ آئیں۔ ضعیفہ رونے لگی۔ اس کی پر شفقت غمگین آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو گرنے لگے۔ اندر جبر جبیں لیٹا ہوا تھا۔ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ پہچانا نہ جاتا تھا ـــــــ

"دیکھا امی! میں یہ نہ کہتا تھا کہ یہ آہٹ میرے دوست

کی ہے۔"

میں نے بازوؤں کا سہارا دے کر اسے اٹھایا —— "کیا ہوا جرجیس، میرے عزیز دوست یہ کیا حالت بن گئی ؟"

یقین نہ آتا تھا کہ یہ ہڈیوں کا پنجر وہی کھلنڈرا زندہ دل لڑکا ہے جسے ہمیشہ بہتر دنوں کی توقع رہتی تھی۔ اب اچھی طرح بات بھی نہیں کر سکتا۔ گاؤں میں کوئی طبیب نہیں تھا۔ بوڑھی بیچاری کو جو کوئی الٹا سیدھا مشورہ دیتا اسی پر عمل کرتی، اوٹ پٹانگ دوائیاں ٹونے ٹوٹکے سب آزما چکی تھی۔

ضعیفہ رات بھر باتیں کرتی رہی —— "عمر بھر کی پونجی چار بچے تھے ان میں سے تین بچپن میں سدھار گئے اور خدا گواہ ہے کہ میری سستی یا لاپرواہی سے نہیں مرے، جب رخصت ہوئے تو بالکل موٹے تازے تھے پھر ان کے والد کا بلاوا آیا موت سے پہلے انھوں نے میری خدمت اور توجہ کی تعریف کی۔ جرجیس کو جن مصیبتوں سے پالا میں ہی جانتی ہوں۔ اس کی تنخواہ میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ بلکہ جو بچتا اسے بھیج دیتی کہ کہیں پردیس میں تکلیف نہ ہو۔ لیکن اس بیماری سے یہ کیا بدل گیا ہے جو کچھ اسے سکھایا تھا بالکل بھلا بیٹھا ہے پہلے سچا اور نیک تھا اب جھوٹ بولنے لگا ہے، بے ادبی، خلیاں، خدا سے نہ ڈرنا ——

چڑچڑا پن ـــــــ نئی نئی باتیں سیکھ گیا ہے ـــــ " اس کے پژمردہ چہرے کی جھریاں اور گہری ہوگئیں، ان محبت بھری آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی رہیں۔ مصیبتیں، صدمے، امیدیں خوش فہمی، صبر و تحمل ـــــــ ایک ماں کی ساری زندگی سامنے آگئی۔

"تم تو اسے جانتے ہو ـــــــ بتاؤ یہ کیوں اتنا بدل گیا ہے؟"

"بیماری بڑی ظالم چیز ہے۔ جہاں جسم کو پھونکتی ہے وہاں خیالات اور عادتوں کو بھی بدل ڈالتی ہے ـــــ میں اسے ساتھ لے جاؤں گا اور بہت جلد تمھارا پرانا جرجیس واپس گھر آجائے گا" میں نے وعدہ کیا ـــــ

اگلے مہینے جب جرجیس اور میں گاؤں پہونچے تو ضعیفہ خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی۔ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں ـــــ "جرجیس کے سب سے پہلے لڑکے کا نام تمھارے نام پر رکھوں گی۔"

دجلے کے کنارے تہوار منایا جا رہا تھا، کیمپ میں بڑی رونق تھی چراغاں ہوا، باجے بجے بڑی شاندار محفل منعقد ہوئی۔ لیکن ڈڈ بھی موجود تھا۔ وہ بغداد سے تہوار منانے آیا تھا۔ سب شور مچا رہے تھے۔ جب گانے شروع ہوئے تو ڈڈ نے یہ نغمہ سنایا۔

"خواب میں دیکھا کہ خوش نما جزیرے میں ہوں
جہاں پھول ہیں، موسیقی ہے اور بے فکری ——
جہاں فقط لڑکیاں ہی لڑکیاں آباد ہیں
دو تین سو چنچل حسین خوش گلو لڑکیاں!
اس کے باوجود مجھے بار بار رونا آتا
کیونکہ خواب میں میں بھی ایک لڑکی تھا!

سب نے اصرار کیا کہ بڑّن بھی کچھ سنائے۔ بوڑھا ترنگ میں تھا —
اس نے یہ رباعی سنائی۔

خالی پیٹ بچے کو مت پیٹو
پہلے کچھ کھا پی لو!
زیادہ گرم پانی سے بچے کو مت نہلاؤ۔
کہیں تمھاری انگلیاں نہ جل جائیں۔

اس پہ پٹاخے چلائے گئے، غبارے چھوڑے گئے۔ پھر شکار کے قصے شروع ہوئے۔ موضوع بدلا اور آبا و اجداد کے تذکرے ہونے لگے۔ نشے میں ہر شخص اپنا شجرہ کسی مشہور ہستی سے ملا رہا تھا —
آخر روز بولا —

"حضرات آپ نے DEAD SEA کا نام تو سنا ہوگا —"

سنا ہے! دیکھا ہے!! جانتے ہیں!!! آوازیں آئیں۔
"اسے میرے مورث اعلیٰ نے ہلاک کیا تھا —"
"وڈ سے بھی کچھ سنو —" کسی نے فرمائش کی۔
"وڈ کی جگہ آج میرا لیکچر ہوگا —" روزہ گلاس تھامے
اٹھا" میں نے بھی کباڑیوں سے کچھ کتابیں خریدی ہیں لہذا مجھے بھی
حق حاصل ہے! — میرا نام روزہ اس لئے ہے کہ میرے والد کا نام
روزہ تھا، میرا مذہب بھی وہی ہے۔ اتفاق سے میں مغرب میں پیدا
ہوا۔ پیدائش سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا کہ کس براعظم جانا
پسند کروگے؟ بچپن سے سننے میں آیا کہ مشرق کے رہنے والے کمزور،
اور سست ہوتے ہیں، وہمی اور ماضی پرست بھی ہیں، یہ بھی پڑھا
کہ مشرق میں قالین اڑتے ہیں، رسے سیدھے کھڑے ہوجاتے
ہیں بوتلوں میں سے جن نکلتے ہیں، ہر دوسرا شخص سادھو ہے، ہر
تیسرا علی بابا، ہر پانچواں مہاراجہ یا نواب ہے۔ چپے چپے پر سانپ
سپیرے اور شیر منتظر رہتے ہیں، ہر چوراہے کے قریب خزانہ دفن ہے
دعا بے کار ہے
مگر بددعا فوراً لگ جاتی ہے۔
یہ تاثرات ان لوگوں کے تھے جنھیں ایسی باتیں لکھنے کا خاص

شوق تھا۔

ان دنوں بھی میں نے مغربی حضرات کو خاص نظاروں کی تصویریں اتارتے دیکھا ہے۔

"فوٹوگرافی میں بھی تضحیک کا پہلو ہوتا ہے۔
—سہ پہر کو اونگھتے ہوئے باشندے کوڑے کے ڈھیر، تھکے ہوئے کمزور جانور، فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا حجام، لولے لنگڑے اپاہج
—— غرضیکہ ہم فقط وہی تصویریں کھینچتے ہیں جو کھینچنا چاہتے ہیں" ان کی روٹی کو پلیٹ اور شلوار کو چھوٹا خیمہ کہہ کر ہنسی بڑی مسرت ہوتی ہے۔

"کسی نے نہیں سوچا —— کہ اگر ہمارے سرسبز و شاداب ملکوں میں دن بھر تپش ہو، لو کے تھپیڑے ہوں، بار بار پانی پینا پڑے تیز شعاعوں اور ریت سے آنکھوں کی چمک جاتی رہے۔ مکھیاں، مچھر، جراثیم، جان کے لاگو ہو جائیں، ہماری خنک اور روح پرور آب و ہوا بدل جائے تو کیا ہم کمزور اور سست نہیں ہو جائیں گے؟

چوری کی واردات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اخبار فروشوں کا حوالہ دیتے ہیں جو اخباروں کا بنڈل اور ہیٹ سڑک پر چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اگر سب کی جیبیں بھری ہوئی ہوں تو تانبے کے سکوں کے لئے کوئی بے ایمانی کرے گا؟

کیا وہاں بینک نہیں لوٹے جاتے؟ یہاں کے ظلم و تشدد پسندی کے قصّے سناتے وقت وڈ جیسا مورّخ بھی بھول جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے شروع میں انگلستان میں سوا دو سو جرائم ایسے تھے جن کی سزا موت تھی۔ شلجم چرانا، خانہ بدوشوں سے دوستی، درخت کاٹنا، بلا اجازت شکار کھیلنا اور جیب کاٹنا ان شدید جرائم کی فہرست میں شامل تھے۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں نہ پولیس تھی نہ جیل خانے تھے، صلیبی جنگوں کو مدتیں گزر چکی ہیں لیکن وہ شکست ہمیں اب تک یاد ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں یروشلم فتح ہوا تو وزیر اعظم نے کہا کہ جو ہمارے سورما صلیبی جنگوں میں نہ کر سکے وہ ہم نے کر دکھایا۔ یہ واقعہ بیسویں صدی کا ہے ـــــ حضرات! میں فقط یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں مشرق سے بے انصافی نہیں برتنی چاہیئے ـــ اب میں اپنے مورخ دوست وڈ سے درخواست کروں گا کہ آئیں اور پرانے واقعات پر روشنی ڈالیں۔"

مگر وڈ خاموش رہا

موہن نے میرے کان میں کہا ـــــ "خان صاحب میں نہ کہتا تھا کہ وہسکی جہاں الٹی سیدھی باتیں کراتی ہے وہاں کبھی کبھی سچ بھی بلوا دیتی ہے۔"

برٹن دورے سے واپس آیا تو اسے تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ پہلے پاؤں میں کانٹا چبھا، پھر پاؤں سوجتا چلا گیا، ہسپتال کا نام لیتے ہی خفا ہونے لگتا ـــــ بڑی مشکلوں سے اسے لے گئے۔ بار بار یہی کہتا ـــ "خدا کے لئے زیادتی مت کرو، میں پرانا سپاہی ہوں۔ آج تک ہسپتال نہیں گیا۔"

چند دنوں میں میرے تبادلے کے احکامات آ گئے۔ کیمپ کے ساتھیوں سے رخصت ہو کر ہسپتال گیا ۔ برٹن کا بخار پہلے سے زیادہ تھا، لیکن مونچھیں اور بھویں اسی طرح تنی ہوئی تھیں ۔ مجھے دیکھ کر تکئے کے نیچے سے سگار نکالا ۔ "اسے سلگاؤ، پینے کی اجازت نہیں ہے کم از کم اس کی خوشبو ہی سونگھ لوں ۔"
پھر باتیں شروع کر دیں، اتنی تکلیف اور نقاہت کے باوجود آواز میں وہی کرارا پن تھا۔

"مجھے چینیوں کا فلسفہ بہت پسند ہے جب تک تندرست رہیں ڈاکٹر کو فیس دیتے رہتے ہیں، جونہی بیمار ہوئے فیس بند ۔" میں نے اپنے تبادلے کا ذکر کیا ۔ "اچھا، جاؤ دنیا دیکھو، جب میں گھر سے باہر نکلا تو تبادلوں پر پریشان ہو جایا کرتا تھا لیکن بعد میں بڑی خوشی ہوتی، جن ساتھیوں کو گاؤں میں چھوڑ آیا تھا ان میں سے بیشتر وہیں کہیں چکر لگاتے رہے، دیہاتیوں کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح ترقی کر کے شہر پہونچ جائیں، لیکن شہروں میں دولت کما کر جی چاہتا ہے کہ دیہات میں کوئی باغ ہو یا فارم ۔"

درد سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، چہرے پر کرب کے آثار تھے لیکن لبوں پر مسکراہٹ بدستور رہی ۔ "ڈاکٹر نا امید ہو چکے ہیں ۔ لیکن میں موت اور اگلی زندگی کے متعلق زیادہ نہیں سوچتا ۔ مجھ سے پہلے ایسے ایسے دلیر اور اعلیٰ انسان اسی راستے سے چپ چاپ گزر گئے، جو کچھ ان پر بیتی ہو گی بیشک مجھ پر

کبھی بیت لے "

اتنے میں ایک چھریری سی حسینہ آئی، برٹن کے ماتھے پر ہاتھ رکھا نبض دیکھی دو چار مذاق کئے اور چلی گئی ۔ " یہاں لڑکیاں بہت تنگ کرتی ہیں خصوصاً یہ گریس تو دس دس منٹ کے بعد آتی ہے ۔ تم ہی بتاؤ اس عمر میں چہلیں کرتا ہوا اچھا لگوں گا؟ جس دور سے یہ گزر رہی ہے میں تیس پینتیس سال پہلے گزر چکا ہوں ۔ یہ بتاؤ کہ تمھاری روانگی کب ہے ؟"

" آج جانا ہے ۔ لیکن آپ بیمار ہیں "

" نہیں ۔ آج ہی روانہ ہو جاؤ اور جلدی سے نئی جگہ پہونچ کر ان کی دیکھ بھال کرو جو نوعمر ہیں اور جن سے امیدیں وابستہ ہیں ۔ مرے ہوؤں اور قریب المرگ لوگوں کے مقابلے میں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے "

چلتے وقت کہنے لگا ۔ " ہمیشہ پھرتیلے رہنا، ایک ترکیب بتاؤں، جو کپڑے پہن رکھے ہیں انھیں محفوظ کر لو، ہر سال پہلی جنوری کو پہن کر دیکھنا جب تک فٹ آتے رہے فٹ رہو گے "

منصور اسٹیشن پر چھوڑنے آیا ۔ لیکن کچھ افسردہ سا تھا، پچھلے تبادلے پر اس نے کچھ اور طرح کی باتیں کی تھیں ۔ میں نے وعدہ کیا کہ اگر کبھی اس طرف سے گزرا تو ضرور آ کر ملوں گا ۔

" اب تم دور چلے جاؤ گے، بس بے جان خطوط رہ جائیں گے خود نظر نہیں

آؤ گے۔ پھر نئی نئی جگہوں میں نت نئے دوست بنیں گے اور دجلے کے کنارے گزارے ہوئے دن تمھیں یاد بھی نہ رہیں گے۔"

سعدہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ منصور نے کہا۔ "کچھ دیر کے لئے اپنا دل پتھر کا بنا لو، ورنہ اچھی بھلی یاد تلخ ہو جائے گی۔ ان دنوں کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہوگا، کون کہاں جائے گا۔ ٹرین کے چلنے میں بس منٹ ہیں، کسی طرح دل کڑا کر کے گزار دو۔"

سعدہ نے سلام کیا، ایک ڈبہ دیا جس میں کھجوریں تھیں۔

"پھر کب آؤ گے؟"

"پتہ نہیں، شاید اب موقع نہ ملے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وطن دور ہے۔"

"تم وطن تو نہیں جا رہے ہو واپس یہ آؤ گے نا؟"

میں نے منصور کی طرف دیکھا اس نے اشارہ کیا۔

"ان دنوں کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہوگا، کون کہاں جائے گا۔" میں نے اس کا فقرہ دہرایا۔

"لیکن تم بتایا کرتے تھے کہ جدائی کا اثر مختلف طبیعتوں پر جدا جدا ہوتا ہے۔ وہی ہوا جو ذرا ذرا سے چراغوں اور شمعوں کو بجھاتی ہے۔ تیز آگ کو اور بھی

بھڑکاتی ہے۔"

"ہاں، یہ کسی مفکر کا فقرہ ہے۔"

"جھوٹا وعدہ بھی نہیں کرو گے؟ یاد ہے وہ گیت؟"

گاڑی چل دی۔

راستے میں میں نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ اتنی دیر کہیں نہیں رہوں گا کہ چلتے وقت افسوس ہو، اگر کہیں قیام طویل ہو گیا تو کسی سے نہیں ملوں گا۔

کئی برس کے بعد اتفاق پھر مجھے دجلے کے کنارے لے آیا لیکن اس دفعہ مسافر کی حیثیت سے آیا تھا اور فقط چند دنوں کے بعد روانگی تھی۔ سیدھا کیمپ پہونچا فقط چند آدمی ملے باقی کے سب جا چکے تھے، سڑک پر گرد اڑاتی تو لاریوں کی جگہ خوبصورت کاریں نظر آئیں۔ بغداد کے دجلے میں روشنیاں اسی طرح جھلملاتیں، کناروں سے موسیقی کی تانیں بلند ہوتیں لیکن وہ غیر معمولی چہل پہل رخصت ہو چکی تھی۔ شور و غل تھا لیکن قہقہے فقط کہیں کہیں سنائی دیتے۔

مجھے اپنا وعدہ یاد تھا چنانچہ کیمپ سے شمال کا رخ کیا اور منصور کے گاؤں پہونچا۔

"دوست مجھے افسوس ہے کہ زیادہ چھٹی نہیں مل سکی، کل واپس جانا ہوگا۔"

"ملاقات ایک لمحہ کی بھی اچھی ہوتی ہے ــــ" وہ بہت مسرور تھا۔ بار بار شکریہ ادا کرتا۔ لیکن بجھا بجھا سا دکھائی دیتا رہا تھا۔ کنپٹیوں کے بال سفید ہو چکے تھے، چہرے پر تفکرات نے لکیریں کھینچ دی تھیں پہلے تو مہماں نوازی میں ادھر ادھر بھاگتا رہا پھر اس کے ساتھ دو پیارے پیارے بچے آئے۔

"میرے لڑکے ہیں۔"

"اور سعدہ ـــ؟"

"پتہ نہیں کہاں ہے، شاید بغداد میں ہو ـ کیوں؟" اسے بڑا تعجب ہوا۔

"یونہی پوچھا تھا۔"

سہ پہر کو ہم بھی سیر پر نکلے تو اس نے بتایا کہ اس کے والد اور بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔

"جس روز والد صاحب سدھارے اسی دن منصور کا لڑکپن بھی ساتھ ہی رخصت ہو گیا۔ شاید اس لئے کہ سر سے سایہ اٹھ جانے کے بعد یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب اپنی باری ہے۔ وہ میرے نہایت گہرے دوست بھی تھے اس لئے تنہائی سے ڈر کر رفاقت چاہی اور شادی کی ـ پھر دو بچے چھوڑ کر وہ بھی چلی گئی ـ"

میرے اظہار افسوس پر مسکرا کر بولا — "اور تو اور وہ سب جولانیاں بھی چلی گئیں —" کئی بار جی چاہا کہ مرحومہ کے بارے میں پوچھوں۔ کون تھی؟ کیا ہوا تھا؟ لیکن الفاظ ہونٹوں پر آکر رک جاتے۔

"کبھی کبھی مجھے اپنی زیادتیاں یاد آتی ہیں جو ان لوگوں سے کیں جو مجھ سے محبت اور شفقت کی توقع رکھتے تھے لیکن تب محسوس بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ زیادتیاں ہیں۔"

"یاد ہے بوڑھا برٹن نوعمروں کی ناتجربہ کاری کے قصے سنایا کرتا تھا —"

میرے خیال میں یہ تجربے کی کمی نہیں احساسات کی کمی تھی — حال ہی میں میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جو سردی میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسے گرم کپڑا دیا تو گڑگڑا کر بولی — نہیں ٹاٹ دے دو — میرے اصرار پر اس نے کہا کہ کپڑے تو خوش نصیب پہنتے ہیں میرے لئے ٹاٹ ہی بہت ہے — میں تھرتھرا اٹھا۔ پہلے بھی فقیروں کو دیکھا تھا بلکہ انھیں دیکھے بغیر قریب سے گزرتا تھا لیکن اب کسی ضعیف محتاج کو دیکھتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں — شکار کا بھی اتنا شوق نہیں رہا۔ کبھی کبھی بے شمار آنکھیں سامنے آجاتی ہیں — ہرنوں کی نمناک پتھرائی ہوئی آنکھیں، پرندوں کی متحیر آنکھیں، دہشت زدہ آنکھیں جن سے آنسو نکل رہے تھے، کچھ ایسی جیسے معصوم بچوں کی آنکھیں ہوں اور پوچھ

رہی ہوں کہ تم نے کیا کیا؟ قطار در قطار یہ آنکھیں سامنے سے گزر جاتی ہیں۔"

ہم پتھر پر بیٹھ کر غروب آفتاب دیکھنے لگے۔"

شاید اس نے میرا تجسس بھانپ لیا تھا۔ "تم بالکل اسی طرح ہو آج تک تم نے ایسی بات نہیں پوچھی جسے بتانے میں مجھے عذر ہو۔ لوگوں نے کہا ہے کہ بچوں کی خاطر دوسری شادی کر لو لیکن میں اس وفادار اور مخلص رفیق کو کیسے بھلا دوں جس نے ہمیشہ میرے جھوٹ کو سچ جانا، میری ضد، لاپرواہی اور تلخ رویے کو ادائے دلبرانہ سمجھا، جس کی نگاہوں میں مجھ سا کوئی اور زمانے بھر میں نہیں تھا۔ اس کی علالت طویل ہوتی گئی، میں کچھ دیر پاس بیٹھتا تو کہتی کہ جاؤ کسی سے مل آؤ، کہیں سیر کر آؤ۔ مرنے سے دو روز پہلے اس نے میرے کپڑے قرینے سے رکھوائے، ملازم کو تاکید کی کہ بغیر ناشتہ کے مجھے کبھی باہر نہ جانے دے۔ مجھے کبھی یقین سا ہو جاتا ہے کہ وہ ان بچوں کے روپ میں زندہ ہے۔"

میں نے بیماری کے متعلق پوچھا۔ "اس علاقے میں بیماری اور صحت کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ ہر مرض کا علاج خوش فہمی اور ٹوٹکوں سے کرتے ہیں، سب کو خواہ مخواہ یقین ہو جاتا ہے کہ بہت جلد شفا ہو گی۔ تبھی ان دنوں میں اپنے بچوں کے متعلق سوچتا رہتا ہوں۔ انھیں پڑھانا بھی ہے۔ کہیں اپنی مرضی کے خلاف میدانوں میں جانا پڑے۔"

کردوں کا اعتقاد ہے کہ جیسے دنیا تین قسم کی مٹی سے بنی ہے اسی طرح یہاں تین قسم کے انسان رہتے ہیں۔ پتھریلی زمین پر رہنے والے سخت جان

ہوتے ہیں۔ طوفان آئے، بارش ہو۔ یہ مٹی کہیں نہیں جاتی اور اس کے جفاکش بھی کہیں جا کر خوش نہیں ہوتے۔ میدانوں میں گارا ہے۔ باشندے اسی دلدل میں دھنسے رہتے ہیں بلکہ دوسرے کو بھی پھنساتے ہیں اور پھر چکنی مٹی کو جس سانچے میں چاہو ڈھال لو۔ رہ گیا ریت سو وہ فقط ایک ہی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ یہاں ٹیلہ ہے آندھی آگئی ذرا دور ٹیلہ بن گیا، ٹیلے کو کھودتے جاؤ ریت ہی ریت نکلے گا، ان کو ظاہر و باطن ایک جیسا ہوتا ہے۔ تم بھی تو ملک ملک پھر آئے ہو کچھ کہو۔"

میں خاموش رہا۔

"موہن کو بھی یہی شکایت تھی کہ تم اپنی رائے چھپا جاتے ہو۔"

میں سوچ رہا تھا کہ منصور کچھ اتنا زیادہ نہیں بدلا، اس نے دنیا ضرور دیکھی تھی لیکن زندگی کی بھٹی اسے کندن بنا رہی تھی، میرا ہمسفر مجھ سے بہت آگے نکل چکا تھا۔

"کبھی ضرور بتاؤں گا ـــــ وعدہ رہا۔"

"یہی وعدہ موہن سے بھی کیا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔"

آفتاب غروب ہو گیا، آسمان شفق سے جگمگانے لگا۔

"زندگی کے رنج والم کے متعلق کسی نے کہا تھا کہ اگر دن کے اختتام پر اداس اداس پیلے بھورے تاریک بادل نہ ہوں تو غروب آفتاب رنگین کیوں کر ہوگا۔"

صبح رخصت ہوتے وقت اس نے میدانوں کی طرف اشارہ کیا۔
"شاید میں ان پرشور آبادیوں میں جابسوں، اور کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں جیسا ہو جاؤں — تب ملے تو شاید تم منصور کو پہچان بھی نہ سکو گے۔"

میں روانہ ہوا تو آسمان مٹیالا سا تھا جیسے آئینے پر کئی روز کی گرد جمی ہو — ابھی تیز ہوا آئی تو سب کچھ صاف ہو جائے گا۔ لیکن دھندلاہٹ بڑھتی گئی، پہاڑیاں ختم ہوئیں تو دھند چھا گئی اور سہ پہر شام میں تبدیل ہو گئی
"آندھی آئے گی" ڈرائیور بولا۔

دیکھتے دیکھتے سب کچھ سیاہ ہو گیا، موٹر کی روشنی فقط پانچ چھ فٹ تک محدود ہو کر رہ گئی ہم سڑک پر تھے اس لئے آہستہ آہستہ چلتے رہے تھوڑی دور جا کر معلوم ہوا کہ راستہ بھول گئے ہیں سڑک پہلے ہی سے اٹ چکی تھی ہم صحرا میں اندھا دھند چکر لگا رہے تھے — پھر ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، شاید ہمارا رخ پہاڑیوں کی طرف تھا سوچا کہ کہیں ٹھہر جانا چاہیئے — دور ایک روشنی نظر آئی۔ قریب پہونچے تو لمبی لمبی کاریں کھڑی تھیں جن کے شیشے ہماری موٹر کی روشنی سے چمک رہے تھے۔ سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آوازیں دیں، کواڑ کھلے اور ایک گول مٹول چہرہ نظر آیا۔ جلتی ہوئی موم بتی ہوا سے بجھ گئی۔ اسے دوبارہ روشن کیا گیا تو دھیمی سی روشنی میں چند

اور چہرے دکھائی دیئے۔ جس نے دروازہ کھولا تھا وہ اور اس کے دو ساتھی قالین پر تولیں تھامے بیٹھے تھے، میں ایک طرف بیٹھ گیا۔

وہ تینوں تقریباً ایک سے تھے، پستہ قد، پھولے ہوئے جسم، موٹے موٹے نقش، چہروں سے گوشت کے لوتھڑے لٹک رہے تھے۔ ڈرائیور نے مجھے بکس اور تھیلا دے دیا اور خود موٹر میں سو گیا، جب آندھی تیز ہوتی تو ان کی باتیں ہوا کی سیٹیوں اور چیخوں میں گم ہو جاتیں۔۔۔ اس عجیب۔۔۔۔ ماحول میں وہ غول بیابانی معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے بہت سارا کھانا نکالا میری طرف دیکھا میں نے نفی میں سر ہلا دیا اور چائے کی تھرماس کھول لی۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے میں کھانا ختم ہوا تو بوتلیں کھول کر باتیں شروع کر دیں وہ بڑی جلدی جلدی بولتے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے کچھ آندھی کا شور، میں ان کی گفتگو اچھی طرح نہ سمجھ سکا لیکن بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک جو اپنے بھتیجے کا واحد نگراں تھا بتا رہا تھا کہ لڑکے کا لاکھوں کا بیمہ کرایا جا چکا ہے، اسے دانستہ طور پر خطرناک کام دیئے جاتے ہیں، پرخطر جگہوں پر بھیجا جاتا ہے لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد لڑکے سے مجبوراً وہی سلوک کرنا پڑے گا۔ جو دو بچوں سے کیا جا چکا ہے۔۔۔ یہ کہہ کر وہ زور سے ہنسا۔

دوسرے نے یتیم خانوں اور ایسے دیگر منافع بخش اداروں کا ذکر

کیا۔ پھر دولت اور نام کے سلسلے میں امیر عورتوں کو ورغلانے کے پروگرام بیان کئے گئے۔ جعلی دستخطوں، جعلی دستیبوں اور بہت سی جعلی چیزوں کا ذکر ہوا۔

میں تھکا ہوا تھا دیوار کا سہارا لے کر اونگھنے لگا۔ پھر جیسے خراٹوں نے چونکا دیا آندھی کا شور ختم ہو چکا تھا۔ دروازہ کھولا تو چاندنی اندر آگئی۔ باہر سب کچھ ساکن تھا آسمان میں چاند چمک رہا تھا۔

چاندنی میں وہ تینوں دکھائی دیے ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ سانس لیتے تو توند میں پھول جاتیں، جب سانس باہر نکلتا تو بڑی بھیانک آواز آتی۔ یوں لگتا تھا جیسے تین مردہ جسم شدید عذاب میں مبتلا ہوں۔

باہر نکل کر دیکھا تو دور دور تک قبریں ہی قبریں تھیں آندھی سے بچ کر جہاں پناہ لی تھی وہ اس قبرستان کی کوٹھری تھی۔ دفعتاً آنکھوں کے سامنے ایک اور نظارہ کوند گیا۔ محاذ پر ایک قبرستان بمباری کی زد میں آگیا، دھماکوں کے ساتھ قبریں کھل گئیں مردے دور دور جا پڑے، کچھ دیر کے بعد جگہ جگہ لاشیں نظر آنے لگیں کچھ ان کی تھیں جو ابھی ابھی مرے تھے کچھ پرانی تھیں، نئی پرانی لاشیں اور بے ہوش زخمی سب آپس میں الجھے ہوئے تھے۔

موت کیسے کیسے روپ بدل کر آتی ہے کبھی پہلے بیماری بھیج کر جسم کو اچھی طرح بھسم کر لیتی ہے کبھی بے خبری میں آن دبوچتی ہے کبھی ایذائیں دے کر ترسا ترسا کر جان لیتی ہے لیکن سب سے ذلیل موت وہ ہے جو زندہ جسم میں یوں حلول

جاتی ہے کہ سانس آتا رہتا ہے، حواس درست رہتے ہیں لیکن دل و دماغ مرجاتے ہیں، ضمیر مرجاتا ہے، انسان مرجاتا ہے۔ قبرستان کی یہ تینوں زندہ لاشیں بھی طبعی موت سے کہیں پہلے مرچکی تھیں۔

دور افق پر دو پہلی لکیر کھنچی ہوئی تھی۔ یہ دجلہ تھا۔ میں اس کی طرف چلتا گیا حتیٰ کہ کنارہ آ گیا۔ دریا کی شفاف سطح پہ تارے ٹمٹما رہے تھے، پانی یوں ساکن تھا جیسے لہروں اور گرداب سے ناآشنا ہو۔ ہلکی ہلکی دھند اٹھ رہی تھی، دوسرا کنارہ اوجھل ہوگیا۔ چاند بے نور ہو کر چھپنے لگا۔ نظارہ سمٹتے سمٹتے محدود ہوگیا۔ میں ایک چھوٹے سے جزیرے میں رہ گیا۔

مشرق سے روشنی پھیل رہی تھی، خنک ہوا کے جھونکے آئے، طیور چہچہانے لگے۔ تخلیق نور، روشنی، زندگی، رنگ و بو اور لطافتیں لے کر آئی تھی۔ انسان سے حسن، پاکیزگی اور ہمدردی کی توقعات تھیں۔ دریا خشک ویرانوں کو سیراب کرنے کے لیے بہائے گئے تھے، پھر کیا ہوا۔ کہ صدیوں سے ان کا پانی کبھی انسان کے خون سے سرخ ہوا ہے، کبھی کتابوں کی سیاہی سے ہفتوں گدلا رہا ہے۔ ان کے کناروں نے ہریالی کی جگہ مایوسی کے نظارے دیکھے ہیں۔

میں واپس پہونچا تو ملبی کاریں جا چکی تھیں، کوٹھی خالی تھی، ایک طرف کچھ چبائی ہوئی ہڈیاں پڑی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بوتلیں۔ ڈرائیور میرا انتظار کر رہا تھا۔

بغداد میں سعدہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے گھر گیا، سعدہ نے سادے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے، بال بکھرے ہوئے ننگے پاؤں، میک اپ کے بغیر اس حلئے میں وہ چھوٹی سی لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

"اسکول سے آئی ہو؟ تمھارا بستہ کہاں ہے؟؟"

وہ ہنسنے لگی۔ "میں تو اسی طرح رہتی ہوں آرائش سے مجھے نفرت ہے ان دنوں پارٹیوں کے لئے مجبوراً بننا سنورنا پڑتا ہے۔"

میں نے منصور کا ذکر کیا۔ "وہ بھی چلا گیا۔ دوسرے بھی چلے گئے۔ کبھی کبھار خط لکھ دیتے ہیں بس!"

دوستوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ برٹن نے گریس سے شادی کر لی تھی جو اسے زبردستی اپنے ساتھ آسٹریلیا لے گئی۔ جب برٹن تندرست ہو کر ہسپتال سے نکلا تو خود اسے بھی علم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے مہینے کے اندر اندر شادی ہو گئی۔ اس کا جوان بھتیجا قاہرہ سے شریک ہونے آیا تو کیوں نے مغالطے میں اسی کو دولہا سمجھا۔ جرجیس بڑے مزے میں ہے۔ کام پر جا رہا تھا کہ موٹر الٹ گئی جیس نے ترس کھا کر تیمارداری کی وہ بڑے مالدار شخص کی اکلوتی بیٹی نکلی چنانچہ جرجیس کو بیٹا بنا کر ساری دولت اور لڑکی اس کے حوالے کر دی گئی روز نے ولایت میں بزنس شروع کی تھی بڑے فارمولے لگائے، ساری ریاضی صرف کر دی لیکن کچھ نہ ہوا۔ اکثر جواب غلط نکلے۔ بزنس چھوڑ کر کسی اسکول

میں حساب پڑھاتا ہے۔ موہن کے حالات ویسے ہی ہیں کبھی خط سے افسردگی ہے تو کبھی سے مسرت۔

"اور سلیم ؟" – میں نے پوچھا

"سلیم لکھ رہی ہے۔"

"اور تم –؟"

"سلیم منصور اور دوسرے اکثر مجھ سے جذباتی اور سنجیدہ قسم کی باتیں کیا کرتے لیکن میں جانتی تھی کہ ان جذبات کی تہہ میں تنہائی کارفرما ہے یا شراب کا نشہ – تم بتاؤ کہ تمھارے ہونٹوں سے کبھی ایک لفظ بھی نہ نکلا۔"

"نہ میں تنہا رہا نہ نشے کی ضرورت محسوس ہوئی۔"

"کون ہے وہ جس نے تمھاری قوت گویائی سلب کر رکھی ہے ؟"

"کوئی بھی نہیں – سچ مچ !"

"اب بھی کچھ سوچ رہے ہو – کچھ تو کہو۔"

"سوچ رہا ہوں کہ مشاہدے میں غلطی ہو جاتی ہے، کبھی فکر و عمل میں مطابقت نہیں رہی اور نظریے بھٹکنے لگتے ہیں۔" دیر تک خاموشی رہی پھر میں نے اسے سلیم کے بارے میں چھیڑا۔

جس سے واقفیت رہ چکی ہو اسے کیا برا بھلا کہنا – اندھیرے میں کبھی کبھی جگنو سے چمکتے تھے ایک چنگاری تو اس رات بھی تھی جب تم لطیفہ کو کشتی

نبھا لے گئے تھے ۔"

"لطیفہ مجھے لے گئی تھی ۔"

"اگلے روز مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آئی ۔

"یاد رہے یہی پلیٹ فارم تھا یہی وقت تھا. تب تم نے چھوٹا وعدہ تک نہ کیا ۔ اب تم وطن جا رہے ہو ۔"

ٹرین چلنے لگی ۔ "میں بصرے سے خط لکھوں گا ۔"

"تم نے دجلے کے کناروں سے خط نہ لکھا ۔ وہاں سے سمندر شروع ہو جاتا ہے ۔

بصرے میں دکان سے دو کارڈ لئے جن پر دجلے کی تصویر تھی، ایک پر موہن کا پتہ لکھا دوسرے پر منصور کا ۔ سوچنے لگا کہ اور کیا لکھوں ۔

جہاز کی روانگی میں چند منٹ رہ گئے تھے آخر کارڈوں پر حکیم بقراط کا یہ فقرہ یاد آگیا ۔

"زندگی مختصر ہے اور کام بہت زیادہ ۔ مواقع تیزی سے گزر رہے جا رہے ہیں ۔ تجربہ خام ہے اور صحیح نتیجے پر پہونچنا بہت مشکل ۔"

(ختم شد)